اقبال اور افغان شعراء

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی

اقبال اکادمی پاکستان

اس کتاب کی اشاعت قومی ورثہ وثقافت ڈویژن کے خصوصی مالی تعاون سے ہوئی

جملہ حقوق محفوظ

ناشر

ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی
ناظم
اقبال اکادمی پاکستان
حکومت پاکستان
قومی ورثہ وثقافت ڈویژن
چھٹی منزل، ایوان اقبال، ایجرٹن روڈ، لاہور
Tel: [+92-42] 36314510, 99203573
Fax: [+92-42] 36314496
Email: info@iap.gov.pk
Website: www.allamaiqbal.com

ISBN: 978-969-416-650-0

طبع اوّل	:	۲۰۲۵ء
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	۸۴۰روپے
مطبع	:	ملک سراج الدین اینڈ سنز، لاہور

محل فروخت: سروسز بلاک، گراؤنڈ فلور، ایوان اقبال، ایجرٹن روڈ، لاہور

انتساب!

ان تمام عظیم انسانوں کے نام جو بلا امتیاز خلق
خدا میں محبتیں بانٹتے رہتے ہیں

—ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی

پروفیسر ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی

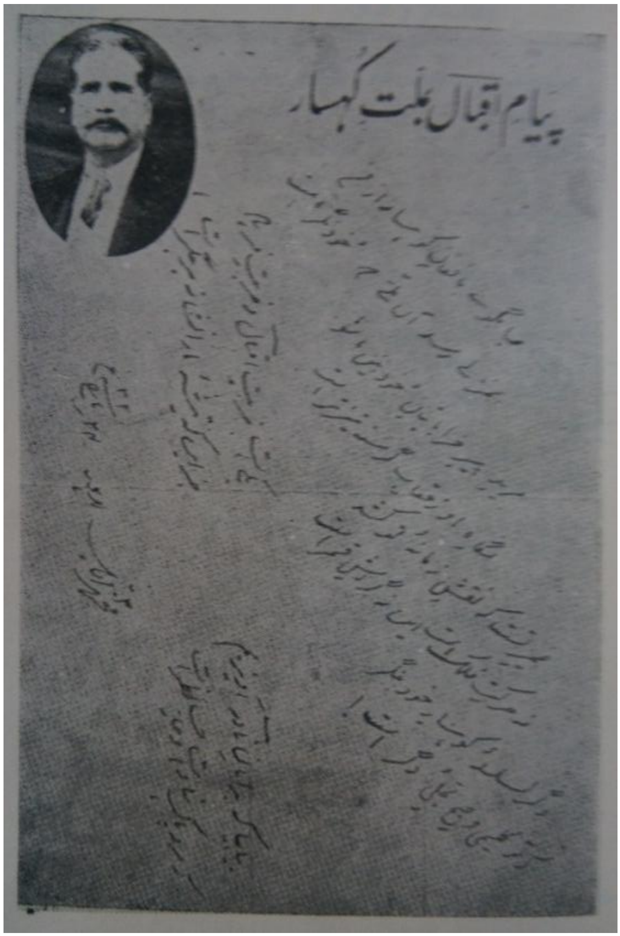

انجمن ادبی کابل کے نام اقبال کے ہاتھ کا لکھا ہوا فارسی نظم

خطاب اقبال بملت کوہسار محررہ ۲۴ ؍مارچ ۱۹۳۲ء لاہور، مطبوعہ مجلّہ **کابل**

۲۲ ؍جون ۱۹۳۲ء، اول سرطان ۱۳۱۱ھ ش

فہرست

اقبال اور افغان شعرا　ڈاکٹر عبد الرؤف رفیق ۱۱
- ڈاکٹر احسان اللہ درمل ۱۵
- احمد صمیمؔ ۱۹
- حبیب اللہ رفیع ۲۳
- خال محمد خستہ ۲۸
- خلیل اللہ خلیلیؔ ۳۰
- رحمت اللہ منطقی ۵۱
- شر رصافی ۵۳
- عبد الاحد منگل ۵۵
- عبد الباری شہرت ننگیال ۵۷
- عبد الحق بیتاب صوفیؔ (ملک الشعرا) ۵۹
- عبد الحیٔ شیدا ۶۳
- عبد الرحمٰن پژواکؔ ۶۴
- عبد الروف بینواؔ ۶۸
- ڈاکٹر عبد الغفور آرزو ۷۱

- سر محقق عبد اللہ بختانی خدمتگار ۸۱
- عبد اللہ قاری (ملک الشعرا) ۹۹
- عبد المنان ملگری ۱۰۸
- عبد الہادی داوی پریشانؔ ۱۱۰
- عزیز اللہ مجددی ۱۴۱
- غلام دستگیر خان مہمندؔ ۱۴۲
- غلام ربانی ادیب ۱۴۴
- غلام رضا مائل ہرویؔ ۱۴۶
- قیام الدین خادمؔ ۱۵۱
- گل باچا الفتؔ ۱۵۷
- محمد ابراہیم خلیلؔ ۱۶۲
- محمد افسر رہبین ۱۶۸
- محمد رحیم الہامؔ ڈاکٹر ۱۷۲
- میر بہادر واصفی ۱۷۸

کتابیات ۱۸۰

اقبال اور افغان شعرا

تاریخ کے اس نازک اور حساس موڑ پر جب انسانیت گوناگوں مسائل سے دوچار ہے مشرق اور مغرب کے درمیاں فکری، تہذیبی، سیاسی اور مذہبی تصادم بپاہے انسانیت انسانوں کے ہاتھوں دیے گئے زخموں سے چور ہے اور بشریت کراہ رہی ہے دنیا کو ایک بار پھر شاعر مشرق حکیم الامت حضرعلامہ محمد اقبال کے بین انسانیت کے نام ابدی پیام کی اشد ضرورت ہے۔

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

مشرق اور مغرب کو ایک بار پھر جوڑنے اور انسانی بقائے دوام، خوشی، امن اور ترقی کے لیے حکیم الامت کے اس اکسیر سے مستفید ہونے کا وقت ناگزیر ہوتا جارہا ہے اس ناقابل تسخیر حقیقت کا ادراک عالمی سطح پر ہونا شروع ہوچکا ہے جس کی بنیاد پر ''اقبالیات'' بذات خود ایک عالمی علمی مضمون بنتا جارہا ہے۔

اقبال کو کسی مخصوص جغرافیائی، علاقائی اور نژادی دائرے تک محدود کرنا ان کی شخصیت کے ساتھ زیادتی کا مترادف ہے بلکہ در حقیقت اقبال کے پیام و نظریات میں اتنا اثر اور قوت موجود ہے جو ان تمام محودات کے حدود سے نکل کر عالمی انسانی دنیا کی تشکیل نو میں اپنا اثر دیکھاتا جارہا ہے۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن پر اقبال کے عظیم خیالات و نظریات کے اسرار و رموز منکشف ہوتے جارہے ہیں جنھوں نے اقبال کو اپنایا اور ان کے لافانی پیام کی روشنی کو اس جہان آب و گل کے گوشے گوشے تک پہنچانے میں ہمہ وقت مصروف عمل ہیں۔

دنیا کے ان خوش قسمت اقوام میں افغانوں کا شمار بھی ہوتا ہے جنھوں نے نہ صرف اقبال کو چاہابلکہ افغانوں نے اقبال کے پیام سے مستفید ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت میرے ڈاکٹریٹ کے مقالے کا موضوع تھا آج سے کوئی بیس برس قبل میں نے اس موضوع پر کام کا باقاعدہ آغاز کیا تھا ۲۰۰۳ میں جب میں نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں یہ مقالہ جمع کیا تو ۲۰۰۵ کے اوائل میں مجھے یہ سند فضیلت عطا ہوئی۔

اگرچہ میری اس تحقیقی کاوش "اقبال اور افغان شعرا" کی بنیاد میرے ڈاکٹریٹ کے مقالے کے ایک گوشے سے وابستہ ہے لیکن اس وقت سے لیکر تادم تحریر میں نے اس موضوع سے متعلق اپنی تحقیق کو جاری وساری رکھا جو آج آپ کی خدمت میں ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ عالمی سطح پر منظم انداز میں اقبال شناسی کو فروغ دیا جائے جس طرح برادر اسلامی ممالک افغانستان اور ایران میں اقبالیات پر تحقیقات جاری ہیں۔ بالکل اسی طرح ترکوں، عربوں، خلیج، وسطی ایشیا اور مغرب میں اقبال شناسی سے متعلق کئے گئے کام پر تحقیقات کی اشد ضرورت ہیں اس سلسلے میں اقبال اکادمی پاکستان کی ایک اہم ذمہ داری بنتی ہے پاکستان کے وزارت خارجہ کو چاہیے کہ بیرونی ممالک میں موجود سفارت خانوں میں قابل اور اہل ثقافتی اتاشیوں اور پاکستان چیئرز اور اقبال چیئرز کے ذریعے اس عظیم کام کو سر انجام دینے میں اپنے ذمے واجب الادا فرض کو پورا کریں ہمارے سفارت خانوں میں تعیناتیوں کا معیار اور کار اہل کار کو سونپنے کی اشد ضرورت ہے وہاں موجود عملے کی ترجیحات کی ترتیب نو سے ہی یہ مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ خصوصاً ہماری جامعات اس سلسلے میں کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے مختلف ممالک میں اقبال شناسی کے موضوعات پر محققین کو ڈاکٹریٹ کے موضوعات دے کر یہ اہم فریضہ سر انجام دے سکتا ہے۔

افغانستان میں نہ صرف حیات اقبال ہی میں افغان شعرا نے اقبال کو ان کی شخصیت کے مطابق کماحقہ دادو تحسین سے نوازا بلکہ علامہ کی رحلت سے لے کر آج تک یہ سلسلہ جاری ہے اکتوبر ۱۹۳۳ء کو جب حضرت علامہ محمد اقبال اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ شہید کی دعوت پر تعلیمی پالیسی کی مشاورت کے لیے افغانستان تشریف لے گئے تھے کابل کے باغ بابر میں انجمن ادبی کابل کی جانب سے اقبال اور ان کے رفقائے سفر (سید سلیمان ندوی، سر راس مسعود وغیرہ) کے اعزاز میں ایک پر شکوہ تقریب کا اہتمام ہوا تھا اس تقریب میں افغان

شعرا نے براہ راست حضرت علامہ کو روبرو انتہائی عقیدت، محبت اور والہانہ طریقے سے منظوم خوش آمدید پیش کیا حضرت علامہ کو اس طرح پذیرائی کا اعزاز صرف اور صرف افغانوں ہی کو حاصل رہا حضرت علامہ کی رحلت پر افغان شعرا نے ان کے مرثیے لکھے اور ان کی رحلت کو اسلامی امہ کے لیے ناقابل تلافی نقصان قرار دیا ۱۹۷۷ میں حضرت علامہ کی پیدائش کے صد صالہ تقریبات میں افغان شعرا نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا افغانستان میں سویت مداخلت کے بعد مہاجرت کی صعوبتوں کے دوران بھی افغان شعرا اپنے اس مربی سے اکتساب فیض حاصل کرتے رہے اور حکیم الامت کے فکری و نظریاتی حکمت سے اپنی نجات کے اکسیر ڈھونڈتے رہیں کسی افغان شاعر نے حضرت علامہ کے مثنوی مسافر کا م ”جواب مسافر“ کے عنوان سے منظوم جواب لکھا تو کسی اور افغان شاعر نے قلب آسیا گذر گاہ و نظر گاہ علامہ اقبال تحریر کی۔

زیر نظر تحقیق میں اقبال سے متعلق افغان شعرا کی تخلیقات، توقعات، تحسینات، اور توضیحات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں ” اقبال اور افغان اہل قلم“ میری ایک اور تحقیقی کاوش ہے جس میں افغان اہل قلم کے اقبالیاتی خدمات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے

مجھے امید ہے کہ اقبالیاتی تحقیقات کی فروغ میں میری یہ حقیر سی کوشش بارآور ثابت ہو گی۔ ان شاء اللہ

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی
ادارہ تحقیقات ڈاکٹر رفیقی، کاسی روڈ، کوئٹہ
یکم فروری ۲۰۲۰ء

ڈاکٹر احسان اللہ درمل

ڈاکٹر احسان اللہ درمل افغانستان میں معاصر پشتو شعر اور پشتو تنقید کا ایک اہم حوالہ ہیں[1] جدید تنقیدی رجحانات پر آپ کی کئی تحریرات منصۂ شہود پر آچکی ہیں آپ نے ۱۳۹۵ھ ش ۲۰۱۶ء میں علامہ پاکستان کے سفارت خانہ کابل میں یوم اقبال کی تقریب میں پشتو زبان میں حضرت علامہ کو ذیل منظوم خراج تحسین بھی پیش کیا ہے:

علامه اقبال ته

کوزیږي چي د زړه تل ته خبر ه د اقبال
د روح له سازه جوړه ده سندره د اقبال
هوسۍ یې له زمریو خراج اخلي په زور لری څه
شاهیني مزاج کوتره د اقبال
هندای له ډبرو ، زر له خاورو شول ارزان
خو لا هم ده آبداره مرغلره د اقبال
موجونه یو که ځو یو به، که نه ځو نه به یو
بس دغه زندگی ده له نظره د اقبال
له ستوریو هاغی خوا نور هم شته جهان
همت د الوت څاڅی له وزره د اقبال
روان چی دی تری وړاندی پیر د بلخ ځراغ په لاس
منزل به خود جاریږی له سفره د اقبال

لمرونه يې ليدلی وو په زړه کی د زری زرگونه
ستوری بل دی له شرره د اقبال
تندی وربالدی مات شی د غاصب او د جابر
غرض پر آئينو نه کا ډبره د اقبال
شاعر دی نرموی پنجه له خدايه سره هم
توبه چی حوصله ده څومره ستره د اقبال
د خپل زړه په څپی يې خپلی اوښکی وخوړی
خبره خو به خود وی مرغلره د اقبال(۲)

یہ جو اقبال کی باتیں دل کی گہرائیوں کو چھو جاتی ہیں یہ اس لیے کہ اقبال کا نغمہ روح کی ساز سے تشکیل پاتا ہے۔ ان کے ہرن شیروں سے زبردستی خراج پاتے ہیں اور ان کے کبوتروں نے کیا شاہین مزاجی پائی ہے۔ مرکزی خیال علامہ کے ذیل شعر سے مستعار ہے:

سرزمینی کبک او شاہین مزاج آہوی او گیرد از شیران خراج

(اس عصر میں) جب آئینے سنگ سے اور زر مٹی سے ارزاں تر ہیں لیکن پھر بھی علامہ کے موتی آبدار (بیش قیمت) ہیں۔ اگر حرکت کرتے ہیں تو ہم مثل موج موجود ہیں اگر حرکت نہیں کرتے تو ہمارا وجود بھی نہیں۔

بس اقبال کی نظر میں فلسفہ حیات یہی ہے یہ بیت دراصل علامہ کی اس فارسی رباعی کا منظوم پشتو ترجمہ ہے:

ساحل افتادہ گفت بسے زیستم ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من چیستم
موج زخود رفتہ ای تیز خرامید و گفت ہستم اگر می روم گر نہ روم نیستم

موجونه يو که ځو يو به، که نه ځو نه به
يو بس دغه زندگی ده له نظره د اقبال

ستاروں کے پار جہان اور بھی ہیں، علامہ کے بال و پر سے ہمت ٹپک رہی ہے۔ مرکزی خیال علامہ کے اس بیت سے ماخوذ ہے:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

له ستوریو هاغی خوا نور هم شته جهان
همت د الوت ښاغي له وزره د اقبال

جب پیر بلخ چراغ لیے ان کے آگے آگے جارہے ہیں تو منزل خود بخود کیونکر علامہ کے سفر سے یہ فدانہ ہو۔ ذرے کے قلب میں کئی آفتاب دیکھے تھے اسی وجہ سے تو اقبال کے شرر سے ہزاروں ستارے روشن ہیں۔

شاعر دی نرموی پنجه له خدایه سره هم
توبه چی حوصله ده ښومره ستره د اقبال

ہر غاصب اور جابر کا ماتھا ٹوٹ جاتا ہے اقبال کے آئینوں کو سنگ باری سے کیا غرض شاعر ہیں خدا سے بھی پنجہ آزما ہیں واللہ اقبال نے کیا عظیم حوصلہ پایا ہے۔ (اشارہ علامہ کے شہرہ آفاق نظم شکوہ کی طرف ہے)

اپنے دل کی سیپی کو آنسوئے دل پلایا ہے اسی وجہ سے اقبال کی ہر بات مانند موتی ہے۔ ڈاکٹر درمل نے پشتو زبان میں حضرت علامہ کو ایک اور منظوم خراج تحسین بھی پیش کیا ہے جو حضرت اقبال سے ان کے دلی احترام کا آئینہ دار ہے:

اقبال ته

تذکری یا د جلال یا د جمال دي
جاویدان چی سرودونه د اقبال دي
د حبشي توری شپې تغر به ټول کا
له سپین زړه نه وتي چیغی د بلال دي
لاروی دی د حافظ ده هم بائیللی
سمرقند او بخارا په یوه خیال دي
پیمانه د بلخ د پیر یې ده په لاس کی
او سرې شوملې یې چنبلې د خوشحال دي

د زوال په زمانې کې یې لیدلی
د یوسف غوندې خوبونه د کمال دي (۳)

تذکرے جلال اور جمال کے ہیں اقبال کے سرود جاویداں ہیں۔
جہالت حبشہ کی شب ہنوز اختتام پذیر ہے بلال کے صادق دل سے صدا نکلی ہے۔
خواجہ حافظ کا پیرو ہے آپ نے بھی یار کے ایک خیال پر سمرقند اور بخارا نچھاور کیا ہے۔
ہاتھ میں پیر بلخ کا پیمانہ لیے ہوئے ہیں اور خوشحال کی ٹھنڈی لسی سے خمار ہے۔
زوال و انحطاط کے دور میں مثل یوسف کمال کے خواب دیکھے ہیں۔

مآخذات

(۱) ویاړلی، ڈاکٹر عبدالروف رفیقی، جلد ۴، د افغانستان ملی تحریک و ڈاکٹر رفیقی سیڑ نیز، مرکز کوئٹہ ۲۰۱۷م ص ۱۵۷۳

(۲) افغانان د اقبال له نظره، سفارت جمهوری اسلامی پاکستان کابل ۱۳۹۵ھ ش ۲۰۱۶، ص ۱۱۱، ۱۱۲

(۳) علامه اقبال د ځیړنو په بهیر کی، سفارت جمهوری اسلامی پاکستان، کابل ۱۳۹۵ھ ش، ۲۰۱۷ء، ص ۱۷۱

احمد صمیمؔ

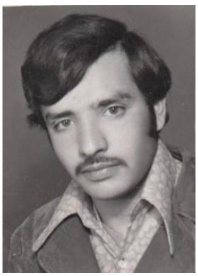

احمد صمیمؔ افغانستان کے تاریخ ساز شہر قندھار کے ناحیہ اول میں حاجی عبدالغفور خروٹی کے گھر ۱۳۳۳ھ ش میں پیدا ہوئے۔ قندھار کے دارالمعلمین سے گریجویشن کر کے ۱۳۶۵ھ ش میں افغانستان میں انقلاب کے باعث پاکستان ہجرت کی۔ کوئٹہ میں ہجرت کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے اور علم و ادب کی آبیاری سے وابستہ رہے جو ۸ ثور ۱۳۷۸ھ ش تک جاری رہا۔ [1]

آپ کے والد ماجد حاجی عبدالغفور خروٹی پشتو کے لکھنے والوں میں سے تھے۔ قندھار میں جب انجمن ادبی کی تاسیس ہوئی تو خروٹی صاحب اس انجمن کے بانی اراکین میں سے تھے۔ [2] یکم/نومبر ۱۹۳۳ء کو حضرت علامہ سفر افغانستان کے دوران قندھار پہنچے۔ وہاں کے زعما اور ادبی شخصیات سے ملاقاتیں کیں۔ انجمن ادبی کے کلیدی اور بنیادی ممبر ہونے کے ناطے عین ممکن ہے کہ عبدالغفور خروٹی نے بھی حضرت علامہ سے ملاقات کی ہو۔

احمد صمیمؔ مذہبی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی بہرہ مند ہیں۔ آپ قندھاری مکتبِ فکر (School of Thought) کے نمائندہ شاعر ہیں۔ پہلے رومانیت اور موسیقیت کا شکار تھے۔ بعد میں حضرت علامہ کے فکری اثرات نے احمد صمیمؔ کے فکری قبلہ کو درست کر کے انھیں مقصدیت سے آشنا کیا ہے۔ پہلی ملاقات میں انھوں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ شعرا میں سب سے زیادہ کس شاعر سے متاثر ہوں؟ میں نے جب اقبال کا نام لیا تو چونک گئے اور کہا کہ اس خطے میں آپ پہلے پشتون شاعر ہیں جو اقبال سے متاثر ہیں چونکہ صمیمؔ صاحب پہلے سے بعض محدود سوچ کے حامل قوم پرست شعرا کے ڈسے ہوئے تھے اسی لیے ایک آفاقی شاعر سے متاثر ہونا ان کے لیے باعثِ حیرت تھا۔ [3]

دوسری طرف میرے لیے یہ بات بھی باعثِ حیرت تھی کہ یہ قندھاری شاعر تو فنافی الاقبال ہیں۔ دورانِ گفتگو ہر دوسری بات پر اقبال کے کسی نہ کسی شعر کا حوالہ دینا اور اقبال کی عالمگیر اسلامی وحدت کی تڑپ ان کے سینے میں بھری پائی۔ رومانیت سے یکسر نکل کر مقصدیت اور عین اسلامی اقدار سے بھرپور شاعری پر اقبال کے اثرات ان کے اندر آب و تاب سے چمکتے ہیں۔ راقم الحروف کے نام ایک مکتوب میں اقبال سے اپنے تعلق کے بارے میں وہ تحریر کرتے ہیں:

قریباً بیس سال پہلے (قندھار میں) میرے ایک استاد حاجی فضل محمد شیواؔ صاحب نے اقبال کی پیامِ مشرق دکھائی اور لالۂ طور کی چند رباعیات سبقاً پڑھائیں۔ کبھی کبھی تو پڑھاتے ہوئے رو پڑتے تھے اور مجھے فرماتے کہ غزالیؒ اور رومیؒ کے بعد کسی نے بھی قلب اور روح سے متعلق اتنے عمیق حقائق منکشف نہیں کیے جتنا اقبال نے اس بارے میں سیر کیا ہے...... وہ مجھے کہتے کہ یہ کتنی عظیم شخصیت ہیں ان کی پیروی کرو۔ ان جیسا گفتار نہ کسی نے کیا ہے اور نہ کوئی کرے گا اور یہ کوئی بشری کام نہیں۔

تل تاثیرات اخلاقی تر هر څه لوړ وګڼه
ژبه او دود د قومیت واړه تري ټوټ وګڼه[۴]

ترجمہ: "اخلاقی اقدار و تاثیرات کو ہر چیز سے عظیم تر سمجھ، زبان اور قومیت سارے ان سے کمتر ہیں۔"

یہ شعر شیواؔ صاحب مرحوم کا تھا جو انھوں نے حضرت علامہ کی درج ذیل رباعی کے زیرِ اثر لکھا تھا:

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم　　چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است　　کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم

جناب احمد صمیمؔ اپنے اس مکتوب میں مزید لکھتے ہیں:

اس بار میں نے اقبال کے فارسی آثار پر طائرانہ نگاہ ڈالی اور کچھ نہیں پایا۔ دوسری بار پھر پندرہ سال پہلے قندھار میں اقبال کے فارسی آثار ہاتھ آئے۔ سوچا کہ ایک بار پھر پڑھوں۔ شیواؔ صاحب محض ان کے شاقی تو نہیں تھے۔ اس بار پھر ان کے تمام فارسی آثار کا دقیق مطالعہ

کیا۔ اس مرتبہ صرف حقیقتِ قرآن اور حقانیت لا الہ ہاتھ آئے۔ اس سے بڑھ کر کچھ نہیں سیکھا۔ تیسری بار جب میں بارہ سال قبل پاکستان آکر مہاجر ہوا تو اس بار ان کے اردو و فارسی آثار کا عمیق مطالعہ کیا اور ذیل نتائج اخذ کیے:

- اقبال جمال افغانی اور جلال رومی کا مجموعہ ہیں۔
- اقبال ایک عظیم متصوف اور عاشق رسول ﷺ ہیں۔ ظاہراً شیو کرتے تھے لیکن باطن میں وہ بایزید ہیں۔ (۵)

جناب احمد صمیمؔ اپنے فکر پر حضرت علامہ کے اثرات سے متعلق مزید لکھتے ہیں:

اقبال صاحب کو ایک بار میں نے خواب میں دیکھا تو میں نے انھیں ایک شعر سنایا انھوں نے تشویق اور نوازش کے ساتھ میرے سر پر ہاتھ پھیر دیا تب میں نے کہا:

د لاهور اقبال به وايي مولانا ته به په رو غيږ کښې
چې دا هم دی زموږ همرازه په کوڅو د معرفت کښې (۶)

ترجمہ: لاہور کا اقبال مولانا بلخی کو مصافحہ میں میرا تعارف کراتے ہوئے کہے گا کہ یہ صاحب بھی معرفت کی گلیوں میں ہمارا ہمراز ہے۔

احمد صمیمؔ کے فکر و فن کے خدوخال سے متعلق صالح محمد لکھتے ہیں کہ:

صمیمؔ کی شاعری کا فکری حصہ غنی اور ان کی شاعرانہ بغاوت نہایت متاثر کن ہے۔ آپ کا ہر شعر ایک مستقل درد اور کرب کے اظہار کا آئینہ دار ہے جن کو رحمان بابا، سعدی شیرازی، گل باچا الفتؔ اور اقبال لاہوری کے کلام کے اثرات نے مزید رعنائی عطا کی ہے۔ (۷)

احمد صمیمؔ صاحب نے ہجرت کے دوران ایک جریدے ادب و معرفت کا اجرا کیا تھا۔ جس کے ۱۲ شمارے شائع ہوئے۔ ہر شمارے کے سرورق پر پشتو و فارسی کے اساتذہ شعرا کے کلام کے چیدہ چیدہ اشعار شائع کرتے تھے۔ اس سلسلے میں تقریباً ہر شمارے میں حضرت علامہ کے ابیات کے سرورق کی زینت بنے ہیں۔ تفصیل باب ”افغانستان میں اقبال شناسی کی ارتقا“ میں شاملِ مقالہ ہے۔

جناب احمد صمیمؔ کے انتقادی و اجتماعی اشعار کا پہلا مجموعہ ”د شاعر فریاد“ ۱۳۷۴ھ ش میں شائع ہوا۔ اس مجموعے میں جابجا خصوصاً نمونہ خلافت، نوائے شہدی، یہ تو وہی قوم ہے وغیرہ پر حضرت علامہ کے فکری اثرات نمایاں ہیں۔ (۸)

ماٰخذات

(۱) دار غند د ځپوژبه،(پشتو، تذکرہ)صالح محمد صالح، مطبوعہ پشتویون نیویارک، ۱۳۸۰ھ ش، ۲۰۰۱ء، ص۱۹

(۲) اوسنی لیکوال،(پشتو)عبد الروف بینوا، مطبوعہ مطبع دولتی کابل جلد۳، ص۱۴۴۰

(۳) پشتو شاعری پر اقبال کے اثرات،(ڈاکٹر عبد لرؤف رفیقی، مقالہ ایم فل، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۰ء)، غیر مطبوعہ، ص۲۷۵

(۴) مکتوب احمد صمیم بنام راقم الحروف، ص۱

(۵) ایضاً، ص۱- ۲

(۶) ایضاً، ص۵

(۷) دار غند د ځپوژبہ، ص۱۹

(۸) د شاعر فریاد،(پشتو شعری مجموعہ)احمد صمیم مطبوعہ کوئٹہ ۱۳۷۳ھ ش ص۔۴- ۱۵- ۱۹

حبیب اللہ رفیع

جناب حبیب اللہ رفیع مولانا نصراللہ نقشبندی کے فرزند ارجمند ۱۳۶۴ھ ش میں عیدالفطر کے دوسرے روز صوبہ وردگ کے سید آباد ضلع کے گلی آبدرہ میں پیدا ہوئے۔ نسلاً وردگ (میر خیل) ہیں اور والد عالم دین اور طریقۂ نقشبندیہ کے صوفی تھے۔ جو بقولِ حبیب اللہ رفیع پشتو اور فارسی کے شاعر بھی ہیں۔

رفیع بچپن میں یتیم ہوگئے اور چچا نے پرورش کی۔ ۱۳۳۳ھ ش کو کابل کے دارالعلوم میں تحصیلات کا آغاز کیا۔ مشہور علما مثلاً شیخ الحدیث مولوی یار محمد مرحوم، شہید مولوی عبدالرب احدی وردگ مرحوم، الحاج حبیب اللہ مخلاند مرحوم، مولوی عبدالحمید طیب مرحوم، شہید مولوی عبدالسلیم فرقانی مرحوم، ملا اختر محمد مرحوم، ملا فیض محمد عبدالسلام اور مولوی سخی داد فائز سے مختلف علوم پڑھے۔ ۱۳۳۹ھ ش میں جب اصول پڑھ رہے تھے اور دارالعلوم کے امتحان میں ناکام ہوئے تو بسلسۂ ملازمت تعلیم کو خیر باد کہا اور ملازمت سے وابستہ ہوگئے۔ (۱)

۱۳۳۴ھ ش میں باقاعدہ شاعری کا آغاز کیا۔ ادارہ تالیف اور تاریخ کے شعبوں میں ملازمتوں سے وابستہ رہے۔ افغانستان کے تاریخ ٹولنہ میں پشتونوں کی علمی شخصیت عبدالحئ حبیبیؒ سے ملاقات ہوئی ان سے فیض یاب ہوتے رہے۔

عرفان، پوہنہ اور آریانا مجلّات اور تاریخ کے شعبۂ نشریات کے مہتمم رہے۔ دو سال تک ریڈیو افغانستان کابل کے پشتو شعبے سے بھی منسلک رہے۔ بقولِ بینواؔ ”آپ پشتو و فارسی دونوں زبانوں میں لکھتے ہیں۔ عربی سے کئی تراجم کیے۔ پشتو شعر و ادب اور پشتون فولکلور سے خاصا شغف رکھتے ہیں۔“ (۲)

۱۳۵۱ھ ش میں جب وزارت اطلاعات و کلتور نے ادارہ فولکلور و ادب قائم کیا۔ تو رفیع کو فولکلور مجلّے کا مدیر مسؤل مقرر کیا گیا۔ ۱۳۵۷ھ ش میں افغانستان میں کیمونسٹ انقلاب کے بعد کئی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ۱۳۵۸ھ ش میں انقلاب کو ناکام بنانے کی کوشش کے جرم میں جیل بھیج دیے گئے۔ ۱۳۶۱ھ ش میں پشاور ہجرت کی۔

۱۹۸۴ء میں راقم الحروف کے رفیع صاحب سے علمی، ادبی اور تحقیقی تعلقات قائم ہوئے۔ ۱۳۶۵ھ ش میں پشاور میں ادارہ تحقیقات جہاد کی بنیاد رکھی اور مجلّہ قلم کا اجرا کیا۔

جناب رفیع کے آثار و مطبوعات کی تفصیل بڑی طویل ہے۔ مختلف علمی ادبی موضوعات پر تحقیقات کی ہیں جن میں ابھی تک تقریباً سو سے زائد زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ [۳] رفیع صاحب نے پانچ سو سے زائد مقالات لکھے ہیں جن میں زیادہ تر شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۳۵۹ھ ش میں سعادت حج حاصل کرنے کے لیے سعودی عرب تشریف لے گئے۔ ۱۳۶۵ھ ش میں کچھ عرصہ کے لیے ریڈیو مصر کے پشتو شعبہ سے منسلک ہوئے۔

جناب حبیب اللہ رفیع پشتو اور فارسی میں شاعری کرتے ہیں۔ آپ کی کئی منظومات وقتاً فوقتاً اخبارات و رسائل میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے کئی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ بعض مجموعوں میں پشتو کلام کے ساتھ ساتھ فارسی کلام بھی شامل ہے۔

رفیع معاصر ادبیات کے پیچ و خم سے آشنا عالمی ادب کے تخلیقی رُخ سے باخبر ادیب و شاعر ہیں۔ اپنی تخلیقی قوتیں انھوں نے ملی و دینی نظریئے کے تحت صرف کی ہیں۔ رفیع افغانستان میں اقبال شناسی میں بھی کردار ادا کر رہے ہیں۔ آپ کے مجموعی فکر و فن پر حضرت علامہ کے اثرات نمایاں ہیں۔ آپ نے نہ صرف اقبال کے اثرات قبول کیے ہیں بلکہ بعض اوقات تو اقبال سے ماخوذ شاعری بھی کرتے ہیں۔ ایک قطعہ میں اقبال سے مخاطب ہوتے ہیں کہ تو نے جلال الدین رومی بلخی سے جلال لیا۔ جمال الدین افغانی سے فکری جمال حاصل کیا۔ نبضِ ملت کا رمز خوشحال خان خٹک سے لیا تب تیری قسمت کا ستارہ اقبال چمکا:

چې رومی جلال دې بیا موند له جلاله[۱]
چې فکري جمال دې واخیست له جماله[۲]
چې دې نبض د ملت زده کړله خوشحاله[۳]
د اقبال ستوری دې وځلید اقباله[۴] (۴)

حبیب اللہ رفیع کی ایک نظم " د آسیا زړه" (قلب آسیا) حضرت علامہ کے درج ذیل بیت کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے:

آسیا یک پیکر آب و گل است   ملت افغان در آن پیکر دل است

اس نظم کا اھدا بھی حضرت علامہ کے نام سے کیا گیا ہے۔

له غورځنګه لویدلی وینه نه ده
په دنیا کښې چې وی زړه نو همدا زړه دې
د آسیا د ژوندون مزی پرې تړلی
د افغان ښکلی هیواد د آسیا زړه دې
لا تر اوسه هیچا نه دی لړزولی
په دې زړه کښې د غېرت وینه چلیږی
نه له چا څخه ډاریږی نه لړزیږي
د غیرت میدان چې وینی لامستیږی
د پردیو د ککرو دانی دل شوې
اوړه شوی دی په دې زړه د آسیا کښې
چې راغلی بیرته نه دی ځنې تللی
دانې هم دونی پایږی په آسیا کښې

۱ جلال سے مراد جلال الدین بلخی رومی۔
۲ جمال سے مراد مصرق کا نابغہ جمال الدین افغانی۔
۳ خوشحال سے مراد صاحبِ سیف و قلم خوشحال خان خٹک۔
۴ اقبال، حضرت علامہ اقبال۔

آسيا تش کالبوت د خاورو اوبو نه دې
خو دا زړه يې وربخښلى چې يې ساه ده
د خپلواک ژوندون نصيحت دې پيرزو کړ
په رشتيا چې په دې زړه د آسيا ده(۵)

ترجمہ: ان کے خون میں جوش و جذبہ ابھی تک باقی ہے۔ دنیا میں اگر کوئی دل ہے تو وہ یہی ہے۔ ایشیا کی زندگی کے تانے بانے انھی کے مرہونِ منت ہیں۔ افغانوں کی حسین مملکت ایشیا کا دل ہے۔ ابھی تک کسی نے اس میں ہنگامہ برپا نہیں کیا۔ کیونکہ اس دل میں غیرت کا خون دوڑ رہا ہے۔ نہ کسی سے ڈرتا ہے نہ لرزتا ہے۔ میدانِ غیرت جب دیکھتا ہے تو مزید مست ہو جاتا ہے۔ غیروں کے سروں کے یہاں ڈھیر لگ گئے ہیں۔ وہ اسی قلبِ آسیا میں نیست و نابود ہو گئے ہیں۔ ایشیا فقط آب و گل کا بت نہیں ہے یہ تو قلب ہے جس سے روح عطا ہوتی ہے۔ آزاد اور خود مختار زیست کا منبع ہے اور یہ حقیقت ہے کہ یہ ایشیا کی زندگی کا دل ہے۔

جناب حبیب اللہ رفیع نے ۱۳۹۵ھ ش ۲۰۱۶ء میں علامہ پاکستان کے سفارت خانہ کابل میں یوم اقبال کی تقریب میں پشتو زبان میں حضرت علامہ کے فکر و فن پر ایک مقالہ بعنوان علامہ اقبال او افغانی فکر پیش کیا ہے اس مقالے میں حضرت علامہ محمد اقبال کی فکری تشکیل میں نمایاں کردار ادا کرنے ولے شخصیات پر بحث کی ہے جن میں مولانا جلال الدین محمد بلخی، علامہ سید جمال الدین افغانی، اور خوشحال خان خٹک شامل ہیں۔(۶)

آپ نے ۱۳۹۵ھ ش ۲۰۱۷ میں علامہ پاکستان کے سفارت خانہ کابل میں یوم اقبال کی تقریب میں پشتو زبان میں ایک اور مقالہ پیش کیا جس کا عنوان ہے اقبال او د خیبر پشتانہ، (اقبال اور خیبر کے پشتون) جس میں حضرت علامہ کے ان افکار پر بحث کی گئی ہے جو پشتونوں سے متعلق ہیں۔۷

مآخذات

(۱) وینه په قلم کي (پشتو تذکره) عبدالباری شهرت ننگیال، مطبوعه د افغان جهادی سیڑنو، مرکز پشاور۱۳۶۸ھ ش، ص۲۲۷- ۲۲۵

(۲) اوسنی لیکوال،(پشتو)عبدالروف بینوا ، مطبوعه مطبع دولتی کابل، جلد۳، ص۱۴۴۷

(۳) ویاړلی، ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی، جلد ۴، د افغانستان ملی تحریک و ڈاکٹر رفیقی سیڑ نیز مرکز، کوئٹہ ۲۰۱۷ء، ص۱۷۵۸تا۱۷۶۶

(۴) پښتو،ماہنامہ پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی، دسمبر ۱۹۸۲ء، ص۷

(۵) ایضاً، ص ۷

(۶) افغانان د اقبال له نظره،سفارت جمہوری اسلامی پاکستان کابل، ۱۳۹۵ھ ش، ۲۰۱۶ء، ص۲۷،۲۳

(۷) علامه اقبال د ځیړنو په بهیر کی،سفارت جمہوری اسلامی پاکستان کابل، ۱۳۹۵ھ ش، ۲۰۱۷ء، ص۱۸،۲۳

خال محمد خستہ

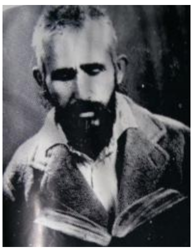

جناب خال محمد خستہ کا شمار افغانستان کے انتہائی مقتدر علماء، شعراء، تذکرہ نگاروں اور محققین میں ہوتا ہے آپ کی تولد ۱۲۸۱ھ ش قریہ دھباز جب کہ بعض محققین کے خیال میں ماورالنھر موجودہ تاجکستان کے ختلان کے قریہ کنگرٹ میں ہوئی والد کا نام ملا رستم جبکہ دادا کا نام ملا عبدالرحیم ہے آپ کے والد کا تعلق اصلا افغانستان کے شمال میں پنجشیر سے تھا جو وہاں سے منتقل ہو کر واپس اپنے گاؤں میں رہنے لگے خستہ نے مختلف علوم و فنون جیسے صرف، نحو، تجوید، عقائد، فقہ، ادبیات، خطاطی وغیرہ کی تحصیل کی اور مختلف ممالک ہندوستان، افغانستان، بخارا وغیرہ کے سفر کیے دہلی میں عبدالغنی یاقوت الرقم سے خطاطی سیکھی۔[۱]

افغانستان میں عملی زندگی کا آغاز کسان کی حیثیت سے شروع کیا۔ مختلف عہدوں پر ملازمت کی۔ مسجد کے امام بنے مختلف اخبارات و جرائد کے مدیر رہے۔ افغانستان کے دائرہ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کے علمی بورڈ کے عضو بنے۔ پارلیمنٹ کی رکنیت تک جا پہنچے۔ ۷۰ سال کی عمر میں ۲۶ وژی ۱۳۵۲ھ ش کو وفات پائی اور کابل کے شہدائے صالحین کے تاریخی قبرستان میں آسودہ خاک ہوئے۔

نثر کے ساتھ ساتھ نظم بھی لکھتے رہے فارسی، ترکی اور عربی زبانوں میں لکھتے تھے۔ ان زبانوں میں آپ کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ آثار و تالیفات کی فہرست طویل ہے جن میں بعض کے نام ذیل ہیں خمستان، رمز حیات، یادی از رفتگان، معاصرین سخنور، ضرب المثلها، تذکرہ خطاطان وغیرہ

خال محمد خستہ حضرت علامہ محمد اقبال کی شخصیت اور آثار سے کافی متاثر تھے اور ان سے استفادہ بھی حاصل کرتے رہے اسی بنیاد پر حضرت علامہ کو اپنے آثار میں منظوم خراج تحسین بھی پیش کیا ہے:

قبول خالق و مخلوق حضرت اقبال — کہ در فتوت او فتنہ زینھا آورد
خوشا بہ طالع و بخت رسای مادر دھر — پس از قرون چو فرزند کامگار آورد
الا بہ خطہ غرب از پیام تو مشرق — دیار خاوریان آن و اعتبار آورد
جھان زبانگ و نالہ زبور عجم — بہ شوق وجذبہ کہن تازہ گیر ودار آورد
چہ سوز بود خدایا بہ ساز این ھنر — بہ رقص کابل و ایران و ھم تتار آورد
بہ آن صفات کہ اقبال مسلم است موصوف — بہ عمر ھا نتوانیم در شمار آورد[۲]

مآخذات

(۱) آریانا دائرۃ المعارف (پشتو) دورہ دوم جلد سوم ص ۴۳۰،۴۳۱

(۲) افغانان د اقبال لہ نظرہ، ص ۴۷

خلیل اللہ خلیلی

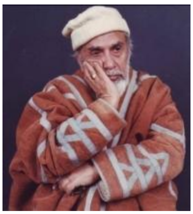

استاد خلیل اللہ خلیلی کا شمار افغانستان کی ان چند معروف علمی ہستیوں میں ہوتا ہے جنھوں نے افغانستان کے لیے بالخصوص اور عالمِ انسانیت کے لیے بالعموم گرانقدر علمی و ادبی خدمات انجام دی ہیں اور زندگی بھر جستجوئے فکر اور تلاشِ تفہیم میں مصروفِ عمل رہے۔

آپ شوال ۱۳۲۵ھ ق / نومبر ۱۹۰۷ء میں کابل کے باغِ جہاں آرا میں میرزا محمد حسین کے گھر پیدا ہوئے۔[۱] آپ نسلاً پشتونوں کے مشہور قبیلے صافی سے تعلق رکھتے تھے۔ والدہ کا تعلق کوہستان (پروان) کے خوانین کے گھرانے سے تھا جو عبدالرحیم خان نائب سالار ہرات وزیرِ فوائدِ عامہ اور معاون صدارت عظمی کی بیٹی تھی۔[۲]

ان کی عمر سات سال تھی کہ والدہ وفات پا گئیں اور یہ گیارہ سال کے ہوئے تو غازی امان اللہ خان کے حکم پر آپ کے والد کو قتل کر دیا گیا۔ حکومت نے جائیدادیں ضبط کیں۔ خلیلی عرصہ تین سال تک کابل و کوہستان میں نہایت دربدری کے عالم میں حکومت کے زیرِ عتاب رہے۔ اسی وجہ سے باقاعدہ تعلیم سے محروم رہے۔ اس کے باوجود خلیلی نے مشہور و معروف معاصر اساتذہ سے تفسیر، منطق، فقہ، حدیث اور ادبی علوم پڑھے۔[۳]

ابتدا ہی سے شعر و ادب اور علم و عرفان سے تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ والد ماجد نے انھیں سب سے پہلے مثنوی معنوی اور دیگر عارفوں سے شناسائی کی طرف مائل کیا تھا۔ چنانچہ تدریس کے شعبے سے منسلک ہوئے۔ مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے۔ غازی امان اللہ خان ہی کے دور میں وزارت مالیہ میں محاسب مقرر ہوئے۔ سقوی انقلاب کے دوران آپ مزار شریف کے گورنر اور مستوفی تھے۔ محمد ہاشم خان کی صدارت کے دوران ۱۹۴۵ء میں

قندھار آئے اور قند سازی کے ایک کارخانے میں خدمات انجام دیتے رہے۔ دوبارہ کابل آنے پر کابل یونیورسٹی کے استاد اور معاون مقرر ہوئے۔ (۴)

۱۹۴۹ء میں شاہ محمود خان کی کابینہ کے منشی بنائے گئے۔ ۱۹۵۰ء میں وزیرِ مطبوعات بنے۔ ۱۹۵۳ء کے بعد جبہہ ملی کی تاسیس کی۔ حجاز، عراق، شام، بحرین، کویت، اردن، قطر اور ابو ظہبی میں افغانستان کے سفیر رہے۔ واپسی پر کابل یونیورسٹی میں ادبیات کے استاد رہے۔

افغانستان میں انقلاب ثور کے فوراً بعد جب آپ عراق میں افغانستان کے سفیر تھے استعفیٰ دے کر افغانستان کے جہادی کارواں کے راہی بنے۔ آپ کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں آپ کئی ملکی و غیر ملکی علمی و ادبی عہدوں اور اعزازات سے نوازے گئے۔ ''نشانِ اول'' معارف افغانستان سے لیا اور فرانس کے جنرل ڈوگل کی جانب سے نشانِ اکیڈیمک ملا۔ ایشیا اور افریقہ کی بین الاقوامی اہلِ قلم تنظیم کے ممبر رہے۔ اکیڈیمی تاریخ افغانستان کے اعزازی رکن رہے۔ (۵)

استاد خلیل اللہ خلیلی نے کئی ملکی اور بین الاقوامی علمی و ادبی کانفرنسوں میں شرکت کی تھی (۶) ان کانفرنسوں میں استاد خلیلی نے مختلف علمی و ادبی مقالات و خطبات کے علاوہ منظومات بھی پیش کیں۔

جناب خلیل اللہ خلیلی نے اسلام آباد کے علی میڈیکل سنٹر میں مختصر علالت کے بعد ۱۴ ثور ۱۳۶۶ھ ش بمطابق ۴ مئی ۱۹۸۷ء میں ۸۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ پشاور کے رحمان بابا قبرستان میں دفن ہوئے۔ (۷)

استاد خلیل اللہ خلیلی کے آثار و تالیفات کی فہرست خاصی طویل ہے جن میں مختلف علمی موضوعات پر پشتو اور فارسی زبانوں میں علمی جوہر سمیٹے ہیں۔

اقبال شناسی کے حوالے سے جناب خلیل اللہ خلیلی کا کارنامہ یار آشنا ہے افغانستان میں خونی انقلاب کے بعد جب استاد خلیلی پاکستان مہاجر ہوئے ہیں تو علامہ پر ایک مستقل اثر ''یار آشنا'' کے نام سے شائع کرایا ہے۔ (۸)

یہ کتاب سب سے پہلے ۱۴۰۲ھ ق ۱۹۸۲ء میں افغانستان کے جمعیت اسلامی کی جانب سے شائع ہوئی تھی۔ (۹) یارِ آشنا کے صفحات کی تعداد ۸۰ ہے۔ (۱۰)

اس کتاب میں دیگر امور کے علاوہ علامہ کے افغانستان سے تعلق پر بحث کی گئی ہے۔[۱۱]

دکتور سید علی رضا نقوی اس کتاب کے مجموعی خدوخال کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

رسالہ ایست دارائی ۸۰ صفحہ دربارہ اقبال و علاقۂ وی بہ سرزمین افغانستان کہ بہ ھمت انجمن علمی و مشورتی اسلامی افغانستان بہ سال ۱۴۰۲ھ ق / ۱۹۸۲ء بطبع رسیدہ است۔ استاد درین رسالہ مسافرت اقبال باتفاق سرراس مسعود و سید سلیمان ندوی در سال ۱۳۱۲ھ ش / ۱۹۳۳ء و ملاقات وی با اقبال در کابل را بہ نثر شرح دادہ است۔ ھمچنین بعضی اشعار اقبال در مدح افغانستان و مشاہیر و عرفا و شعرائی آن سرزمین مانند شیخ ہجویری و سنائی و رومی و ھمچنین قصیدۂ وی در وصف کابل را آوردہ است۔ و بعضی قصائد و اشعار را کہ استاد در مدح اقبال سرودہ است نیز نقل کردہ است۔ مخصوصاً ترجمۂ فارسی قصیدہ ای کہ اقبال بہ اردو سرودہ است کاملاً نقل کردہ (ص ۳۴- ۳۹) کہ بیسار جالب است۔[۱۲]

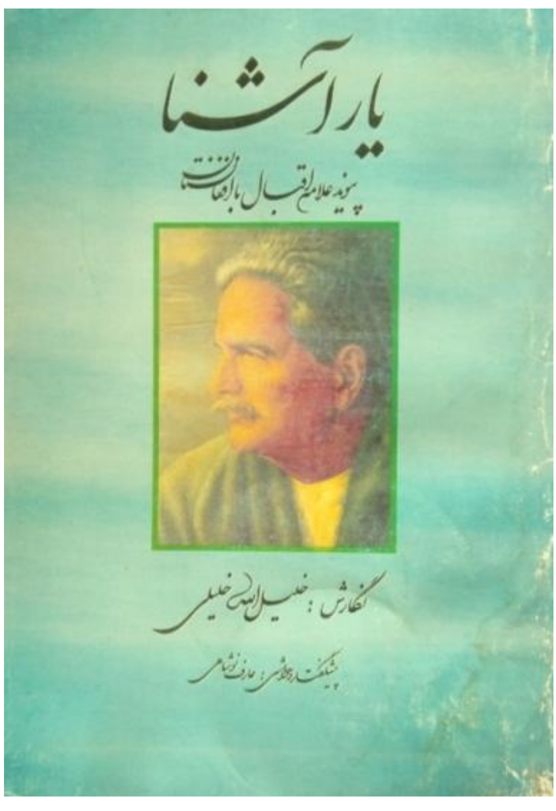

جناب خلیل اللہ خلیلی کی یہ نگارش یار آشنا (پیوند علامہ اقبال با افغانستان) جون ۲۰۱۰ء میں جناب عارف نوشاہی کی پیش گفتار اور حواشی کے ساتھ کتابخانہ استاد خلیل اللہ خلیلی انستیتیوت شرقشناسی و میراث خطی اکادمی علوم جمہوری تاجیکستان دوشنبہ کی جانب سے دوبارہ شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کی فہرست کے مطالب ذیل ہیں:

- پیش گفتار (عارف نوشاہی)

سفر علامہ محمد اقبال بہ افغانستان۔ نگاہی بہ تحقیقات در موضوع ''پیوند محمد اقبال با افغانستان''۔ بررسی یار آشنا نگاشتہ استاد خلیل اللہ خلیلی۔ حواشی۔

- یار آشنا (خلیل اللہ خلیلی)

با یار آشنا سخن آشنا بگو۔ آسنائی با احرار ہندوستان۔ دولت دیدار۔ خواستۂ ما ازین نگاشتہ اقبال، پاکستان ہندوستان۔ افغانستان و اقبال۔

- رھبران نخستین

علی بن عثمان بن علی جلابی ہجویری غزنوی ''داتا گنج بخش''۔ حکیم سنائی۔ مولانا جلال الدین محمد بلخی رومی۔ سید جمال الدین اسعد آبادی افغانی۔ اقبال و ملت افغانستان۔ در وصف کابل گوید۔ در وصف غزنی و مزار سلطان محمود۔ شوریدۂ غزنی۔ خرقہ مبارک پیغمبر اسلام و شہر قندھار۔ افکار محراب گل افغان۔ اقبال در دل مردم افغانستان۔ حواشی (عارف نوشاہی)

- شگوف ھائی شجرہ اخلاص

تربت اقبال۔ چشم عقاب۔ کعبہ و اقبال۔ بلال عصر۔

- پیوست ھا

دمی با اقبال۔ سفیر ماتم۔ مشاہدۂ رؤیا۔

- نمایہ ھا

اعلام تاریخی (کسان، ادیان، مذاہب، فرق، اقوام)

اعلام جغرافیائی (کشورھا، شہر ھا، موسسات)

کتاب ھا و مجلّہ ھا

- عکس ھا و نمونہ ھا [۱۳]

آپ کے منظوم آثار میں آپ کا دیوان سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اولین شعری مجموعہ کابل سے ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا۔[۱۴] اس سے پہلے ایک اور شعری مجموعہ ۱۹۵۵ء / ۱۳۳۴ھ ش میں کابل سے شائع ہوا۔ ۱۹۶۱ء میں کابل سے رباعیات اور شعری مجموعہ ۵۱۰ صفحات پر شائع ہوا تھا۔[۱۵]

یہ تمام مجموعے دیوان اول استاد خلیلی کے نام سے ۱۹۶۲ء میں تہران سے بھی شائع ہوئے۔ استاد خلیلی کے فن سے متعلق معاصر استادانِ سخن کی زریں آرا اور تقریظات شامل ہیں جن میں استاد سرور خان گویاؔ اعتمادی، استاد صلاح الدین سلجوقیؔ، گل باچا الفتؔ اور عبدالرحمٰن پژواک نے استاد خلیلی کے فن کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ افغان دانشوروں کے علاوہ ایرانی مدبروں بدیع الزمان فروز انفر، استاد سعید نفیسی، دکتور رضا زادہ شفق، دکتور لطف علی صورت گر، حبیب یغمانی اور نوح سمنانی وغیرہ کی آرا موجود ہیں۔

استاد خلیل اللہ خلیلی معتقد اقبال تھے۔ آپ نے حضرت علامہ کو خوب پڑھا سمجھا۔ علامہ کی صحبت بابرکت سے فیض یاب ہوئے۔[۱۶] اسی بنا پر علامہ کے فلسفہ اور نظریہ سے بے حد متاثر تھے۔ اقبال کے فلسفۂ خودی کے قائل اور ملتِ اسلامیہ کی نشأۃِ ثانیہ کے لیے ان کی گراں قدر خدمات کے معترف تھے۔ چنانچہ جابجا منظوم خراجِ تحسین پیش کر کے قلبی تسکین پائی۔

استاد خلیلی افغانستان کے پہلے فارسی شاعر ہیں جنھوں نے حضرت علامہ کے حضور سب سے زیادہ خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

۱۹۶۶ء میں کابل کے پاکستانی سفارت خانے میں حضرت علامہ کی ستائیسویں برسی کے موقع پر جو تقریب منعقد ہوئی تھی اس کی صدارت استاد خلیل اللہ خلیلی نے کی تھی۔[۱۷] اس تقریب کے لیے پاکستانی سفارت خانے کے جناب خلیلی کا انتخاب حضرت علامہ سے ان کی انتہائی عقیدت کا بین ثبوت ہے۔

آپ نے ۱۳۴۳ھ ش میں لاہور میں حضرت علامہ کے مزار پر حاضری اور دی دل سوختہ کو "آموز گار بزرگ" کے ابیات سے تسکین بخشی:

ای کہ مارا گرش چشم عقاب آموختی
دیدۂ دیدار خود را از چہ خواب آموختی
شام جمعی را نمودی از فروغ فیض روز
تیرہ شب را روز کردن ز آفتاب آموختی
خفتگان را باصریر شعلۂ انگیز قلم
صد تکان دادی وچندین انقلاب آموختی
گردن اصرار در یوغ اسارت بود خم
بند بگستن بہ مردم از رقاب آموختی
زندگی گفتی خط فاصل بود بابندگی
این دلیل قاطع از فصل الخطاب آموختی
ہر سؤالی راکہ مشکل بود بر عقل سلیم
از دبستان دل آنرا صد جواب آموختی
بار سوز بیخودی راز خودی آمیختی
مشت خاک مردہ دار فتار آب آموختی
کاروان درراہ ومنزل دور ودشمن درکمین
رہروان شرق را درس شتاب آموختی
عقل را رہ شوق راجان قلب را ذوق حضور
این بہ درواماندگان رافتح باب آموختی
خواجہ را گفتی تو شد بعد ازیں خون فقیر
بینوا را راہ و رسم اعتصاب آموختی
آہ از آن ملت کہ باشدیاس دراہش حجاب
ایں امید قوم تو رفع حجاب آموختی
مولوی در گوش جانب گفت رازی بس بزرگ
زان معلم معنی ام الکتاب آموختی
ملت توحید را از مکر دنیای فرنگ
حرف حرف وفصل فصل وباب باب آموختی

در کہن تاریخ شوق انگیختی شور نوین
شوکت پارینہ را عہد شباب آموختی(۱۸)

ثور ۱۳۴۵ھ ش میں لاہور کے دانشوروں کی جانب سے حضرت علامہ سے منسوب پروگراموں کے سلسلے میں جناب خلیل اللہ خلیلی کو دعوت دی گئی لیکن عین اسی وقت آپ حرمین شریفین کے دیدار کے لیے رختِ سفر باندھ چکے تھے۔ چنانچہ ''کعبہ و اقبال'' کے عنوان سے درج ذیل نظم کے ذریعے اپنی معذرت دائر کی:

شوکت پارینہ راعہد شباب آموختی
وی مجمع دوستان اقبال
بودیم بہ آرزو کہ اماں
آییم بہ آستان اقبال
صد بومہ زنیم از سر شوق
برخاک سپھر شان اقبال
اسرارخودی زسر بخوانیم
در نامۂ جاوداں اقبال
جوئیم رموز بیخودی را
بار دگر از زبان اقبال

راز دل دردمند گویم بامردم را ز دان اقبال
بینم کہ باز شہر لاہور گردید مدیحہ خوان اقبال
بینم کہ باز آن کھن شہر ناز دبہ دل جوان اقبال
گویم پیام از سنای ہر روز بہ گوش جان اقبال
خوانیم زمولوی سخن ھا تا مست شود روان اقبال

بودیم بدین امید شادان
کامد خبری زکشور جان

گفتند حرم درش گشادہ بر خلق صلای عام دادہ
لیلای سیاہ پوش کعبہ از چھرہ نقاب برگشادہ
آنجا کہ ہنر ار ماہ و خورشید سر بر در ہزش نہادہ
آنجا کہ امین وحی جبریل دربان صفت از ادب ستادہ
آنجا کہ کلاہ فخر شاہان برخاک نیاز او فتادہ
برگردن سرکشان گیتی بنھادہ شکوہ وی تلادہ
بر پایۂ آستانہ آں کردہ فلک از ادب و سادہ
آن مہد مہین کہ خاک پایش رشک مہ و آفتاب زادہ
یعنی کہ جمال نور احمد زین طور جلال جلوہ دادہ

زین قلہ ھای فخر و اقبال
بگرفتہ جہان جان تہ بال

این مژدہ چو آفتاب یکبار تابید بہ کلبۂ دل تار
ہم حافظہ رخت بست و ہم ہوش ہم دست فتاد و ھم دل ازکار
عشق آمد و شد بہ یک تجلی سلطان قلمرو دل زار
احرام حریم شوق بستیم پرواز کنان بوی دلدار
ماند یم رُخ نیاز بر در سودیم سر ادب بہ دیوار
پروانہ صفت طواف کردیم برشمع برین خانۂ یار

این عذر من ار به خاک اقبال ای باخبران کنید تذکار
از تربت او صدا بر آید کاحسنت به این خجسته کردار
چون یافت خلیل بتگرما درکوی خلیل بت شکن بار
این خلعت تو مبارکش باد
وین تاج طراز تارکش باد (۱۹)

۱۳۵۶ھ ش / ۱۹۷۷ء میں پنجاب یونیورسٹی نے حضرت علامہ کی صد سالہ جشن ولادت کی تقریبات کی مناسبت سے منعقدہ پروگرام کی دعوت ارسال کی لیکن استاد خلیل اللہ خلیلی کو حکومتِ افغانستان کی جانب سے اس سیمینار میں شرکت کی اجازت نہ ملی چنانچہ جناب خلیلی نے پنجاب یونیورسٹی کو حضرت علامہ کے حضور اپنی تہنیت "بہ پیشگاہ علامہ محمد اقبال لاہوری" کے عنوان سے ارسال کی:

باد آبان آمد و آورد باخود مشک ناب خوش بخندای صبحدم خرم بتاب ای آفتاب
قاصد آمد نامۂ لاہور دارد در بغل نامۂ اینک نغمۂ فردوس دارد در خطاب
نامۂ شوق است باید برسرچشمش نہاد قاصدیاراست از من بوسہ خواہدبی حساب
شہر لاہور است شہر دوستان از باستان دوستان را یاد کردن نبود از صواب
داستان غزنہ و لاہور بس دلکش بود ای حریف نکتہ دان از حرف حق ابرومتاب
این دو شہر سالخورد از خرد سالی بودہ اند چوں دوحرف ازیک عبارت چوں دوباب ازیک کتاب
قاصد آمد خواند برگوش دلم پیغام جان عاشق لب تشنہ راداد از نوید وصل آب
گفت آنجا انجمن برپا نمودہ اہل دل انجمن با انجمن تابان زجمع شیخ و شاب
گفت برbalین قالین است روشن شمع فیض ماہ و انجم دوروی پروانہ سان در پیچ و تاب
چون کشد منت ز نور شمع بالین کسی کز دل روشن بر آوردہ ہزاران آفتاب
درسیہ عصری کہ شد در پردہ لیلای سخن شاہد معنی بہ رخ افگند از دہشت نقاب
کعبۂ حق پایمال لشکر دجال شد لانۂ طاوس دین شد جای پرواز عذاب
درسیہ عصری کہ استعمار شد درشرق وغرب برھمہ گردن فرازان جہان مالک رتاب
خاصہ برآزاد مردان دیار مصطفی قافلۂ سالار اُمی حامل ام الکتاب

شهسواران عجم را تیغ همت شد ز کف　　　پاسداران حرم را چشم غیرت شد بخواب
روز میدان بود اما جنگجو یان خفته خوش　　　وقت جولان بود اما بال و پربسته عقاب
مغزهای اہل فکر آشفته اندر جزو بحث　　　لفظ ها جای معانی قشرها جای لباب
باز ماند از اوج مؤمن باپرو بال یقین　　　شد فرو آسیمه سرباپای شک در منجلاب
راہزن شد میر شب تار اجگر شد تاجور　　　خانۂ خلق خدا از جورانیاں شد خراب
آن ذریوبی خبر این نا خدای بی خدا　　　کرد از خون ستمکش جام عشرت پر شراب
اختلاف اہل قدرت کرد یکباره تباه　　　خرمن این رادر آتش حاصل آنرا درآب
سود خوار سنگدل ز اشک یتیم بیگناه　　　بست خلخال نگار خویش را لعل مذاب
بیوۂ فرزند مرده جان سپرد از فرط جوع　　　خواجه راخوناب اشکش زینت زین ورکاب
درسیه عصری که در اکلیل فرماندار ہند　　　داندهای اشک می تابید چون درخوشاب
(بانو گیتی) زنخوت داشت برسر کوه نور　　　مہر رایکدم نبود از کشور حکمش غیاب
درچنین عصر سیه تابید ناگه اختری　　　نور افشان از ورای ظلمت چندین حجاب
اختره (اقبال) مؤمن جلوه افزا شد زشرق　　　کز فروغش دیده ودل جاودان شد بهره باب
برگرامی نامۂ وی ثبت آثار عمر　　　برنگارین خاتم وی نقش نام بو تراب
نعره زد کامی ملت افسرده تاکی خواب ناز　　　صبح شد برپای شود در دہر افگن انقلاب
گردن آزادگان راتیغ بهتر جای طوق　　　مرد حق را سرفرازی باشد از دار وطناب
درمسلمانی غلامی نیست فرمانش بدر　　　درمسلمانی اسارت نیست زنجیرش بتاب
قفل رابشکن که فرمان خدا در دست تست　　　بند را بگسل که مومن را نباشد بند و باب
ای علم دار حرم راه کجا داری به پیش　　　زمزم این جائشته تاکه می روی جویای آب
چون توی معمار فطرت خود جہاں خویش ساز　　　از بہشت اجنبی الاجتناب الاجتناب
از شکوۂ نعرۂ وی چاک شد حبیب سحر　　　ہم جرس جنبید وہم موکب روان شد باشتاب
نعرۂ ای توفنده طوفانی که لرزاند زمین　　　نعره ی برق جہانسوزی که بشگافد سحاب
واعظ از میدان مسلمان رابه خلوت دادراه　　　رند مابردش به میدان ماز چون عهد شباب
گفت مومن را بود راه حق فخر از جهاد　　　داغ خون برسینه اش بهتر بود از لعل ناب

ای مجدد! ای ز تو آرایش کاخ کہن ای معلم ای ز تو روشن چراغ جدو ناب
ای بلال قرن ما خاموش گردیدی چرا لب گشا یکدم کہ جان آمد بلب از اضطراب
بانگ لاالہ برکش تا بلرزد کاخھا روی این فرش رمادی زیر این بنیلی قباب
ای خلیل حق نواں کش کہ از تائید آن جان بتنگر سوزد از غم پیکر وی از عذاب
حرف زن تعلیم دہ تدبیر کن تکبیر گو ای جبینت صبح امت صبح شد یکدم بتاب
دیدہ بگشا تا ز تاثیر نگاہ نافذت دیو عصر ما گریزد ہمچو شیطان از شہاب
بردہ راشو جنون آموز کز فریاد وی خواجہ را چتر مرصع پوچ گردد چون حباب
عشق را باز دگر افروز درقندیل دل تانماید رھبرو ما را حقیقت از سراب
نوجوان عصر را آموز اسرار خودی تا ستاند جام از جم تیغ از افراسیاب
تا شناسہ مہرۂ بازیگران دھر را مہرہ ما از مھر برکف مارھا زیرثیاب

مشت خاری داشتم کردم نثار روضہ ات
مشت خادم رابہ لطف خویش کن بویا گلاب (۲۰)

اس کے علاوہ کلیات خلیل اللہ خلیلی کے حصہ مثنویات میں ہمیں ایک مثنوی ''حضرت علامہ کے حضور'' ملتی ہے جس کا عنوان ہے ''دمی اقبال''۔ اس مثنوی میں حضرت علامہ کے سفر افغانستان کے موقع پر اپنی ملاقات کی یادداشتوں کو محفوظ کیا ہے۔

یاد ایامی کہ با شعر و کتاب آشنا گشتم در آغاز شباب
بستہ بودم با سخن پیوند نو دادہ بودم دل بہ مھوش درگرو
مشق می کردم غزلھای دری بال افشان ھمچو پرواز پری
در جوانی شعر قصان می شود پایکوبان دست افشان می شود
با جوانی شرر چو یکجا شود مست و شور انگیز و جان افزا شود
بود عصری برگریزان و خزان شہر کابل رشک گلزار جنان
نور خورشیدش ز ھر روزی فزون آسمانش صاف ونغزو نیلگون
آرمیدی در دل تالاب ھا ہمچو آیینہ فروزان آب ھا
بادھایش در کمال اعتدال مشک افشان ازجنوب و از شمال

برگها را کیمیا ساز خزان   کرده با ذرات طلا زر فشان
بانم بابر شاه باذوق مغل   زر به بار آورده جاں خار و گل
من درین فرخنده روز دلنواز   گشتم از بخت همایون سرفراز
حکم شد از سوی دولت ناگهان   تابه باغ آیم به نام میزبان
با رفیقان وگر شامل شوم   همدم مردان صاحبدل شوم
میهمانان وارد بستان شدند   درسرای خویشتن میهمان شدن
سید والا سلیمان زمان   عالم دین عارف هندوستان
واں دگر سر راس مسعود شهیر   از علوم شرقی و غربی خبیر
در میانه حضرت اقبال بود   آفتاب شعر اتمثال بود
از جبینش نور قرآن آشکار   و زلقای وی خزان ما بهار
با سنائی کرده ساغرها نگون   در بساط لای خواران جنون
عارف راز آشنائی مولوی   عصر حاضر را چراغ معنوی
شرق را خلاق غیرت خامه اش   درس امت جاودانی نامه اش
آنکه بعد از کشور پاک حجاز   با در و دیوار افغان گفت راز
دیده در چشم عقاب خشمگین   ملت کهسار را نقش جبین
آسیا را خوانده نقش آب و گل   گفته افغان راداران پیکر چوں دل
هر سه تن بستند صف بر قبر شاه   شاه خفته بی خبر در خوابگاه
مشت خاک وی نهای درجوف سنگ   نی نوای نغمه نی شهپر جنگ
نی بساط خسروی نی تخت عاج   نماز کوه نور برقی نی زتاج
زایران دست دعا افراشتند   عرضه کردند آنچه در دل داشتند
منظر خورشید و الوان خزان   صفحه سیما بگون آسمان
زایران را جذب سوی خویش کرد   خاکیان را آسمان اندیش کرد
مهر را دیدند پویا سوی شام   می نهد لرزان به بام چرخ گام
می رود تا بوسه های آخرین   کوهساران را گزارد برجبین

باغ مانند بهشت آراسته
برگ برگش شسته و پیراسته
گفت سید این مناظر این جمال
این بهشت روح بخش بی مثال
قلب بابر را به خود تسخیر کرد
شاه رابر دست و پا زنجیر کرد
زان جهت فرمود کز هندوستان
جا دهندش در دل این بوستان
شاعر آزادهٔ بالغ نظر
از رموز حال و ماضی باخبر
سبز گون سیمای وی شد لاله گون
جوش زد دررگ رگ وی موج خون
خامه را بگرفت بر جای عصا
خاصه ای جا دوکش معجز نما
اهل دل راخامه جای اژدهاست
حرف حق برهان مردان خداست
گاه چشمش بود سوی آسمان
بر فضای نیلگون بیکران
گاه سوی قله های برف پوش
محمل خورشید شان برروی دوش
گاه سوی کابل جنت نظیر
مولد آزادگان شیر گیر
گاه سوی تربت خاموش شاه
جای مسند سنگ گورش تکیه گاه
خامه با انگشت وی همکار بود
آسمان پرواز و اختر بار بود
راه خود را به قلم اظهار کرد
قول سید را به شهر انگار کرد

این غزل رو شگر سیمای ماست
ماضی ما حال ما فردای ماست (۲۱)

اس ہی طرح ایک اور چھوٹی سی مثنوی حضرت علامہ کے حضور ہے:

بر آرامگاہ عارف مشرق علامہ اقبال لاہوری

تربت اقبال راکردم طواف
دولتی دیدم در انجا بی خلاف
دیدهٔ بیدار از اندر منام
دان دوستی تیغ خفته درنیام
مشت خاکش برده برگدوں سبق
تابدار هر زره اش انوار حق
آسمان برخاک او پیرایه ای
”آفتابی درمیان سیایه ای“
خلوت آرای رموز بیخودی
محرم اسرار آیات خودی

تابہ حشر او سینۂ آگاہ او بشنوی فریاد الا اللہ او
زندہ از وی رسم و راہ معنوی روشن ازوی خانقاہ مولوی
از سنائی سوزھا درسینہ اش وزنی بلخی نوادر نغمہ اش
این نواھا از نوای کبریاست کاروان خفتہ را بانگ دراست
این نوابیرون امداز نای عشق ویں گہرہا زایہ دریای عشق
ز سبوی بادہ نوشان فرنگ از غریو نعرہ وحدت سنگ
نعرۂ او در دل ما کار کرد خفتگان شرق را بیدار کرد
بر مزارش بود لوحی تابدار یادگار سرزمین کوہسار
در دل آن سنگ از افکار وی
باز خواندم بہترین اشعار وی (۲۲)

استاد خلیل اللہ خلیلی کی کلیات کے حصہ غزلیات میں"غزل حکیم شرق علامہ اقبال"ایک غزل موجود ہے۔ یہ غزل خلیلی نے حضرت علامہ کی تضمین پر لکھی ہے جو مسافر میں"برمزارِ شہنشاہِ بابر خلد آشیانی"کے عنوان سے موجود ہے۔ خلیلیؒ کی غزل یہ ہے:

بیا کہ ساز فرنگ از نوا بر افتاد است درون پردۂ اونغمہ نیست فریاد است
زمانہ کہنہ بتان را ہزار بار آراست من از حرم نگذشتم کہ پختہ بنیاد است
درفش ملت عثمانیان دوبارہ بلند چہ گویمت کہ بہ تیموریان چہ افتاد است
خوشا نصیب کہ خاک تو آرمید اینجا کہ این زمین ز طلسم فرنگ آزاد است
ہزار مرتبہ کابل نکوتراز دھلی است "کہ آن عجوزہ عروس ہزار داماد است"
درون دیدہ نگہ دارم اشک خویش را کہ من فقیرم راین دولت خداد است
اگرچہ پیر حرم درد لا الہ دارد
کجا نگاہ کہ برندہ تر زپولاد است (۲۳)

استاد خلیل اللہ خلیلیؒ نے مندرجہ بالا منظومات میں حضرت علامہ کو عارف شرق، حکیم شرق وغیرہ کے خطابات دیے ہیں اور حضرت علامہ کے فن و شخصیت سے متاثر ہو کر ایک مستقل کتاب یار آشنا لکھی۔ یہ منظوم و منثور کتاب افغانستان کی جمعیت اسلامی کی علمی و

مشاورتی انجمن کی جانب سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی کتاب اسی (۸۰) صفحات پر مشتمل ہے اور حضرت علامہ کی یاد، ان کے فن و شخصیت سے متعلق متعدد نکات پر بحث کی گئی ہے۔ [۲۴]

اس کتاب کا نام حبیب اللہ رفیع نے ایک اور مقالے سھوادیارِ آشنا لکھا ہے جو علامہ اقبال اور افغانستان سے متعلق ہے۔ [۲۵] جبکہ اسی مقالے میں استاد خلیل اللہ خلیلی کو ملت کی بیداری کے سلسلے میں اقبال کی راہ کاراہی قرار دیا ہے۔ [۲۶]

حضرت علامہ نے سفر افغانستان کے دوران نومبر ۱۹۳۳ء میں غزنی میں حضرت حکیم سنائی غزنوی کے مشہور و معروف قصیدہ کے بحر و ردیف میں ایک اور نظم تخلیق کی۔ جو بالِ جبریل میں شائع ہوئی۔ حکیم سنائی غزنوی کے قصیدے کا مطلع درج ذیل ہے:

مکن در جسم و جان منزل کہ این دو نیست و آن والا
قدم زین ہر دو بیرون نہ نہ این جاباش نی آنجا

اور حضرت علامہ کی اردو نظم درج ذیل ہے:

سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا
غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازۂ صحرا!
خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا، نہ میں سمجھا
نگہ پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا
رقابت علم و عرفاں میں غلط بینی ہے منبر کی
کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا
نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ
بہت دیکھے ہیں میں نے مغرب و مشرق کے میخانے
یہاں ساقی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا!
نہ ایراں میں رہے باقی، نہ توراں میں رہے باقی

وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاکِ قیصر و کسریٰ
یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادر زہراؓ؟
حضورِ حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا
ندا آئی کہ آشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے
"گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا!
لبالب شیشۂ تہذیب حاضر ہے مے 'لا' سے
مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانہ 'الا'
دبا رکھا ہے اس کو زخمہ ور کی تیز دستی نے
بہت نیچے سروں میں ہے ابھی یورپ کا واویلا
اسی دریا سے اُٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ وبالا
غلامی کیا ہے؟ ذوق حسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے، ہے وہی زیبا!
بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا!
وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا
فرنگی شیشہ گر کے فن سے پتھر ہوگئے پانی
مری اکسیر نے شیشے کو بخشی سختیٔ خارا!
رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یدِ بیضا!
وہ چنگاری خس وخاشاک سے کس طرح دب جائے

جسے حق نے کیا ہو نیستاں کے واسطے پیدا!
محبت خویشتن بینی، محبت خویشتن داری
محبت آستانِ قیصر و کسریٰ سے بے پروا
عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں
"کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سر خود را"
وہ دانائے سُبل، ختم الرسل، مولائے کُل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغِ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ!
سنائیؒ کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوے لالا (۲۷)

جناب خلیل اللہ خلیلی نے اس منظومے کا فارسی منظوم ترجمہ کیا جو ذیل ہے:

نگنجد وسعت سودای من در پہنہ دنیا
خطا بود ای جنون شاہد تر اندازہ صحرا
شکستِ این طلسم رنگ و بورا از خودی می جوی
کہ این توحید بود اما نکردش فہم عقل ما
نگاہی کن تو ای غافل تجلی نیست جز فطرت
کہ دریانیست غیر از موج نبود موج جز دریا
چہ چوب دار حلاج و چہ چوب پایہ منبر
خلاف علم و عرفان از غلط بینی شدہ بیدار
تو ای روح القدس از جذبۂ مستاں مکن تقلید
تن آسان عرشیانرا ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ
بسا میخانہ ہا دیدم من اندر مغرب و مشرق
درین جا بزم بی ساقی، در انجا بادہ ناگیرد

نہ در ایران اثر پیدا نہ در توران نشان باقی
.... قیصر و کسریٰ
ببین شیخ حرم گیرد فروشد مال خود سازد
گلیم بو ذرؓ و دلق اویسؓ و چادر زہراؓ
بہ یزدان کرد اسرافیل شکوہ کای خدا ترسم
قیامت بیشتر از وقت گردد درجہان برپا
ندا آمد کز آشوب قیامت کی بود کمتر
"گرفتہ چینیان احرام و مکی خفتہ دربطحا
لبالب جام تہذیب زمان از بادہ 'لا' بشد
نبا شد درکف ساقی مگر پیمانہ 'الا'
چو سرکش موجہا کز قلب این دریا برون تازہ
کند کاخ نہنگان رابیک جنبش تہ و بالا
غلامی چیست محرومی ز ذوق حسن و زیبائی
بود زیبا اگر آزاد مردی گویدش زیبا
غلامان رابصیرت قابل باور نمی باشد
بجز آزادہ در دنیا ندارد دیدہ بینا
زمامِ حال دردست کسی باشد کہ از ہمت
ز دریای زمانہ باز گیرد گوہر فردا
فرنگ از شیشہ سازی سنگ خارا را نماید آب
ببخشد کیمیای من بہ شیشہ سختی خارا
ندارم غم اگر فرعون باشد درکمین من
چو من در آستین خویشتن دارم یدِبیضا
چہ ممکن کاین خس وخاشاک برقی راکند خاموش
کہ از بہر نیستانش نمودہ وسعت حق پیدا

محبت خویشتن بینی محبت خویشتن داری
محبت زاستان قیصر و کسریٰ ست بے پروا
عجب نبود اگر پروین ومہ گردد شکارِ من
کہ بر فتراک صاحب دولتی بستم سرخودرا
شناساں سُبلُ ختم رُسل مولای کل ذاتی
کہ خاک راہ رابخشد فروغ وادی سینا
بچشم عشق و مستی اوست ہم آغاز ہم انجام
بود قرآن بود فرقان بود یٰسین بود طٰہٰ
ز غواصی مر پاس سنائی باز می دارد
وگرنہ اندرین بحر ست چندین لولوی لالا (۲۸)

اقبال سے متعلق منظومات اور تراجم کے علاوہ جناب خلیلی کی شاعری میں جابجا حضرت علامہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ ۱۹۸۳ء میں اسلام آباد میں جناب خلیلی کے اعزاز میں منعقدہ ایک تقریب میں آپ نے نظم ''سفیرِ ماتم'' سنائی۔ اس نظم میں افغانستان میں خونیں انقلاب اور اپنی دربدری اور مہاجرت کے درد انگیز جذبات کو درد انگیز انداز میں بیان فرمایا۔ یہاں بھی علامہ کا ذکر ہے۔

بندۂ حق درجہان آزادہ است — مست وی فارغ زجام وبادہ است
خواستم تا اندرین شام سیاہ — سایۂ اقبال را سازم پناہ (۲۹)

گویمیش کابل بخون گلگون شدہ — پرچم اقبال آن واژون شدہ
زادگاہ مولوی را آب برد — کعبہ العشاق را سیلاب برد
شہر غزنی جلوہ گاہ علم وفن — مسند محمود شاہ بت شکن
در شرار ظلم دشمن درگرفت — منبر تو حیرت کافر گرفت
سید السادات مخدوم امم — خود بلا ھو راست خفتہ در حرم (۳۰)

کابل و لاہور باہم تو امند
این دولت غمگساران ہمند
این دو گلشن خوردہ ازیک چشمہ آب
ہر دور روشن گشتہ از یک آفتاب
دوری از یاران گناہی بودہ است
سخت مضحک اشتباہی بودہ است
اینک این آوارگان بیگناہ
غیر ازین کشور کجا جوئندہ را(۳۱)

سرزمین پاک باما آشنا ست
این نظر باترجمان راز ماست
ہر نگہ این جازبان الفتاست
ہرلب این جا بازگوی وحدست
من عیان بینم بہ برق ہر نگاہ
پرتوی از آفتاب لا الہ
تا سحری آیدم جا بگوش
نغمۂ توحید از بانگ سروش
می سراید از زبان حال تان
درد مارا حضرت اقبال تان
می شود از تربت باکش بلند
نعرہ شیری کہ افتادہ بہ بند
زملتی آوارہ کوہ ودمن
دررگ او خون شیران موجزن
آسیا یک پیکر آب و گل است
ملت افغان در آن پیکر دل است(۳۲)

مآخذات

(۱) آریانا دائرہ المعارف دورہ دوم جلد ۳ د افغانستان اسلامی جمہوریت د علومو اکادمی د دائرہ المعارف ریاست کابل۱۳۸۹ھ ش ۲۰۱۰م ص ۵۰۰، ۵۰۱
(۲) دانش مجلّہ ادارہ تحقیقات فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد، ۱۳۶۶ھ ش، ص۹
(۳) ایضاً، ص۱۱
(۴) دانش مجلّہ، زمستان ۱۳۶۶ھ ش، ص۱۳
(۵) ایضاً، ص۱۵
(۶) ایضاً، ص۱۴
(۷) ایضاً، ص۱۵

(۸) ایضاً، ص۱٦ تا ۲۸

(۹) د وژمو نخښتي د جهاد ادبي کتابشود، (پشتو) حبیب اللہ رفیع، د افغانستان د اوسني ادبیاتو د پر مختیاٹولنه ۱۳٦۹ ھ ش ص۸۷

(۱۰) ”دانش“ زمستان، ۱۳٦٦ھ ش، ص۲۵

(۱۱) ”قلم“ سہ ماھی پشاوراپریل مئی۱۹۸۷ء، ص٦۹

(۱۲) دانش زمستان، ۱۳٦٦ھ ش، ص۲۵

(۱۳) یار آشنا، (فارسی) خلیل اللہ خلیلی ناشر کتابخانہ استاد خلیل اللہ خلیلی انسٹیٹوٹ شرقشناسی و میراث خطی اکادمی علوم جمھوری تاجکستان دوشنبہ ۱۳٦۹ھ ش ۲۰۱۰ع ص ۲-۳

(۱۴) وینہ پہ قلم، (پشتو) عبد الباری شہرت ننگیال د افغان د جیادی سیڑ نو مرکز پشاور ۱۳٦۸ھ ش ص۱٦۸ تا ۱۷۱

(۱۵) ایضاً، ص۱۷۰ تا ۱۷۱

(۱٦) دانش، زمستان، ۱۳٦٦ھ ش، ص۲۵

(۱۷) اقبال ریویو، اقبال اکادمی پاکستان لاہور اپریل ۱۹٦۷ء، ص۱٦۵

(۱۸) کلیات اشعار استاد خلیل اللہ خلیلیؔ، بکوشش عبد الحی خراسانی، نشر بلخ تہران ۱۳۷۸ھ ش ص۱۵۳ تا ۱۵۴

(۱۹) ایضاً، ص۱۸۲ تا ۱۸۳

(۲۰) ایضاً، ص۵۰ تا ۵۲

(۲۱) ایضاً، ص۵۸۴ تا ۵۸۵

(۲۲) ایضاً، ص۳۸۲ تا ۳۸۳

(۲۳) ایضاً، ص۵۸٦

(۲۴) د وژمو بھیر، ص۱۷

(۲۵) مجلہ ” قلم“، پشاور، اپریل مئی۱۹۸۷ء، ص٦۹

(۲٦) ایضاً، ص۱۷

(۲۷) بالِ جبریل، علامہ محمد اقبال شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۹۱ع ص ۲۲ تا ۲۴

(۲۸) مجلہ دانش زمستان، ۱۳٦٦ھ ش، ص۱۰۸

(۲۹) ایضاً، ص۹۰

(۳۰) ایضاً، ص ۹۱

(۳۱) مجلہ دانش زمستان، ۱۳۶۶ھ ش، ص ۹۲

(۳۲) ایضاً، ص ۹۳

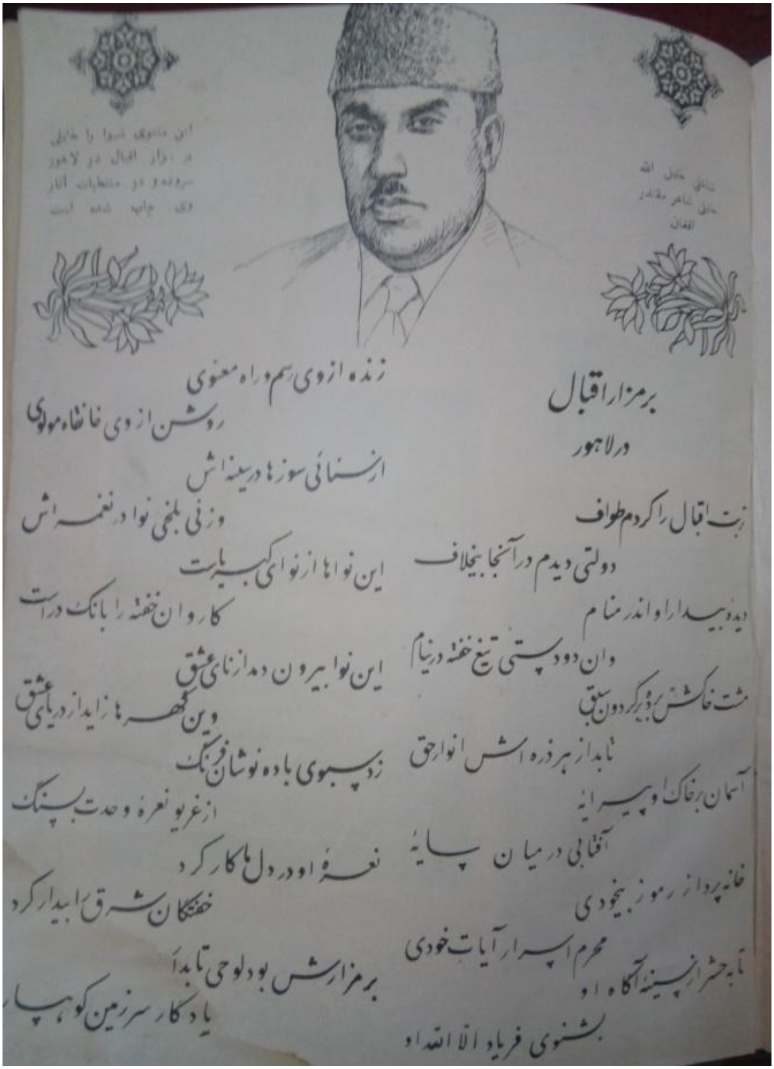

برمزار اقبال
درلاهور

ربت اقبال را کردم طواف
دولتی دیدم در آنجا بیخلاف
دیده بیدار او اندر منام
وان دو دستی تیغ خفته در نیام
شت خاکش رو بگردون سبق
تابد از هر ذره اش انوار حق
آسمان بر خاک او پیرایه
آفتابی در میان پایه
خانه پرداز رموز بیخودی
محرم اسرار آیات خودی
تا به حشر از سینه آگاه او
بشنوی فریاد الا الله او

زنده از وی رسم و راه معنوی
روشن از وی خانقاه مولوی
از سنائی سوزها در سینه اش
وز نی بلخی نوا در نغمه اش
این نواها از نوای کبریاست
کاروان خفته را بانگ دراست
این نوا بیرون دمد از نای عشق
وین گهرها زاید از دریای عشق
زد سبوی باده نوشان فرنگ
از غریو نعرهٔ وحدت بسنگ
نعرهٔ او در دلها کار کرد
خفتگان شرق را بیدار کرد
برمزارش بود لوحی تا ابدا
یادگار سرزمین کوهسا

رحمت اللہ منطقی

استاد رحمت اللہ منطقی افغانستان کے معاصر ادیب و شاعر ہیں۔ آپ نے اسلامی علوم میں ایم فل کیا ہے اور بلخ یونیورسٹی شریعہ فیکلٹی میں استاد ہیں۔ آپ نے ثور ۱۳۸۳ھ ش میں علامہ کو فارسی میں منظوم خراج تحسین بھی پیش کیا ہے:

چوں بحری بیکراں علامہ اقبال

امیر کارواں علامہ اقبال | خبیر کارواں علامہ اقبال
امیر کارواں راستگاراں | ظہیر راستاں علامہ اقبال
امیر کارواں صدق و ایماں | امین و رازداں علامہ اقبال
رھبر دستور معمار حرم را | بہ تعمیر جھاں علامہ اقبال
ابر مردی کہ ھرگز تن نمی داد | بہ بیداد زماں علامہ اقبال
عجب بگذاشت در دنیای فانی | سرور جاوداں علامہ اقبال
چہ تحلیل بدیع و جالبی داشت | زا و ضاع زماں علامہ اقبال
علمبردار اسلام و عدالت | بہ دست پر تواں علامہ اقبال
قلم آورد و در راہ خدا کرد | جھاد بی اماں علامہ اقبال
بہ شرق آوردہ است از نقد افگار | چہ نیکو ارمغاں علامہ اقبال
کند در گلشن افکار پیدا | بھار بی خزاں علامہ اقبال
اگر اعلام عالم چون زمین اند | بود چون آسماں علامہ اقبال
بلاد شرق اگر چون آسمان است | بود خورشید آں علامہ اقبال
درین دنیا اگر دانای رازی است | بود آں راز داں علامہ اقبال

مرید پیر با تدبیر رومی — مراد مار خاں علامہ اقبال
انیس اہل دل در بزم الفت — جلیس بی دلاں علامہ اقبال
ھمیشہ داشت از الام امت — الم در جسم و جاں علامہ اقبال
بہ حال زار امت اشک ریزاں — ز چشم خوں فشاں علامہ اقبال
حکیمی، فیلسوف نامداری — بہ مقیاس جھاں علامہ اقبال
بر احساس خودی دارد پیامی — بہ ھر پیر و جواں علامہ اقبال
پیامش را رسانیدہ است تا ما — ورای کہکشاں علامہ اقبال
دلش کانوں راز و رمز قرآں — علیم رمز داں علامہ اقبال
کند اسرار بی پایاں آن را — زھر پہلو بیاں علامہ اقبال
علی التحقیق ممتاز است و یکتا — در ابنای زماں علامہ اقبال
نگوید ازگماں حرفی در اینجا — نگند در گماں علامہ اقبال
بود در دیدہ می دانا محقق — بہ ھر معنٰی عیاں علامہ اقبال
چنین حضرت تواند آں کہ گوید — "چنیں بود و چناں علامہ اقبال"
چہ گویم "منطقی" وصفش کہ باشد — چو بحری بیکراں علامہ اقبال (۱)

مأخذ

(۱) علامہ اقبال درادب فارسی و فرہنگ افغانستان، ص ۱۹۱-۱۹۲

شرر صافی

شرر ساپي کا شمار افغانستان کے جدید پشتو شعرا میں ہوتا ہے آپ نے ۱۳۹۵ھ ش ۲۰۱۷ میں علامہ پاکستان کے سفارت خانہ کابل میں یوم اقبال کی تقریب میں پشتو زبان میں حضرت علامہ کو ذیل منظوم خراج تحسین بھی پیش کیا ہے:

د اقبال فکر

د اقبال جنتي فکره — د ختیځ د درد دوا شه
بړي بړي هله هله — جنتي خاوري ته راشه
ژوند خزله د یران ده — ژوند هغسي روان نه دی
ژوند د کونډي ترمي اوښکي — اوس نیمګړی ارمان نه دی
مرګ په لاس کي د انسان شو — ژوند په لاس د انسان نه دی
د نهیلو په ګرداب کي — ورته لاس د مسیحا شه
د اقبال جنتی فکره — د ختیځ د درد دوا شه
دا ژوندون له دې ګردابه — خامخا را ویستل غواړي
د ژوند دی تېپه تیاره کي — دا ډیوی بلول غواړي
ستا د فکر مشالونه — هره خو ځغلول غواړي
ټول جهان دی سرګردانه — د آسیا زړه ساتل غواړي
که دا زړه له درده وچوي — نو نړۍ ټوله فنا شه
د اقبال جنتي فکره — د ختیځ د درد دوا شه

په قدم قدم کي د آدم او آدم جنگ دی
نور د نور په وينو سور دی دی په خپلو وينو رنگ دی
د ژوندون ليچی خالی دی د نيزو د تورو شرنگ دی
فلسفه د ژوند ده ورکه ژوند له يوه مخه بد رنگ دی
د اقبال جنتی فکره په کی روح شه په کي ساه شه
بړي بړي هله هله جنتي خاوري ته راشه [(۱)]

ترجمہ: اقبال کی جنتی فکر مشرق کے دردوں کی کا دوا بن کر آجا، جلدی سے ذرا جنتی سرزمین افغانستان آجا۔ حیات خاک کا ڈھیر بن چکا ہے، زندگی اسی طرح رواں دواں نہیں ہے، حیات بیوہ کی آہ بن چکی ہے اب حسرت وارمان ہی نہیں۔ موت انسان کے ہاتھ میں ہے اور زیست انسان کے ہاتھ سے نکل چکا ہے ناامیدی کے اس گرداب کیں ذرا مسیحا بن کے آجا، اقبال کے جنتی فکر مشرق کے دردوں کا دوا بن کے آجا۔

زیست اس بھنور سے نکالنے کا متقاضی ہے، حیات کے اس گھپ اندھیرے میں دیے روشن ہونا چاہتی ہے تمہارے فکر کے مشال ہر سمت لے جانے کی ضرورت ہے سارا جہان سرگرداں ہے قلب آسیا بچانا ہے اگر یہ دل درد سے پھٹ رہا ہے تو ساری دنیا کے فنا کا خطرہ ہے، اقبال کی جنتی فکر مشرق کے دردوں کی دوا بن کے آجا۔

یہاں قدم قدم پر آدم آدم سے دست و گریباں ہے دوسرے دوسروں کے خون سے گلگوں ہیں او یہ اپنے خون سے، زندگی کے بھاہو خالی ہیں اب صرف تلوار و تفنگ کی چن چن سنائی دیتی ہے حیات اپنا فلسفہ کھو چکا ہے اور زیست بد رنگی کا شکار ہے۔
اقبال کی جنتی فکر اس حیات میں روح بن کے آجا۔
جلدی سے ذرا جنتی سرزمین افغانستان آجا۔

مآخذ

(۱) علامہ اقبال د ښیرنو په بهیر کی، ص۱۶۸-۱۷۰

عبدالاحد منگل

عبدالاحد کا تعلق پشتون قبیلہ منگل سے ہیں آپ افغانستان کے معاصر ادیب و شاعر ہیں۔ آپ نے ۱۳۹۵ھ ش ۲۰۱۶ء میں علامہ پاکستان کے سفارت خانہ کابل میں یوم اقبال کی تقریب میں پشتو زبان میں حضرت علامہ کو ذیل منظوم خراج تحسین بھی پیش کیا ہے:

علامه اقبال ته

د نړۍ د غورځنګونو نوی باب دی
ځکه نوی دی تر نوو لا شباب دی
د دې نوی ګلستان مالیار د ګلو
لا تر اوسه د سرود سخن دریاب دی
که په توره او قلم شاه احمد شاه دی
اقبال هم د وجودي دنیا سیماب دی
څه ښکلا او څه انداز یې دی د ښکلو
په توران ،ایران،هند و بنګال کی یې ناب دی
اقبال وایې چی ملت افغان دل است
دل هم است خو د آسیا د باغ ګلاب دی
که په لاس یې زولنی په زړه زخمی دی
رقیب پوه دی چی د دی کلی ارباب دی
هر دښمن چی ورته نیغ په بد کتلی
تښتیدلی له میدانه په شتاب دی
که ټپه د ملالۍ یوسفزۍ سره ده
څه یې کړم چي په حجره کي مات رباب دی
ساقي نشته میخانه ده بې مطربه

هسي پاتې په مينا کې زوړ شراب دی
نه خمار د ميو مست دی په محفل کې
نه په اور سوځلې سور رنګ د عناب دی
هر رقيب چې د دې ښکلو جلال اخلي
دغه خيال يې دی محال معلوم چې خواب دی
هر يو اصل په خپل اصل پسې درومي
دا منګل هسې تشويش کړې چې بيتاب دی[۱]

ترجمہ: دنیا میں تحریکوں کا نئے باب کھل چکے ہیں۔
اس نئے گلستان کا باغباں ابھی تک دریائے سرودو سخن ہیں۔
اگر سیف و قلم سے احمد شاہ شاہ ہیں تو اقبال بھی وجودی دنیا کا سیماب ہے۔
ان کے حسیناؤں کی کیا بات ہیں جو توران، ایران، ہند و بنگال میں یکتا ہیں۔
اقبال فرماتے ہیں کہ افغان ایشیا کا دل ہے مگر یہ تو گلستان ایشیا کا گلاب بھی ہے۔
اگرچہ ان کے ہاتھ میں ہتھکڑی ہیں مگر دشمن پھر بھی جانتا ہے کہ افغان اس گاوں کا ارباب ہیں۔
جس بھی دشمن نے جب کبھی بھی افغان کو کج نگاہی سے دیکھا ہے وہ فوراً سے پیش تر یہاں سے فرار ہوا ہے۔
اگر ملالہ یوسفزی کا ٹپہ گرم سرود ہیں مگر اس کا کیا کروں کہ حجرہ میں رباب ٹوٹا ہوا ہے۔
ساقی نہیں ہے میخانہ مطرب کے بغیر ہے خامخا مینا میں پرانا مئی باقی ہے۔
نہ محفل میں مئی کی خمار میں مستی باقی ہے نہ سوزش آگ سے رنگ حنا کی لالی ہے۔
ہر رقیب جو ان حسیناوں سے رعنایی چیننا چاہتا ہے ان کا یہ خیال محال اور محض خواب ہے۔
دنیا میں ہر اصل اپنے اصل سے وصل ہوتا ہے اس منگل کو محض تشویش لاحق ہوئی ہے۔

مأخذ

(۱) افغانان د اقبال له نظره، ص ۱۱۴، ۱۱۵

عبد الباری شہرت ننگیال

الحاج عبد الباری شہرت ننگیال ۱۳۳۷ھ ش افغانستان کے میں ولایت وردگ کے چک ضلع کے قریہ بمبئی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کرنے کے بعد کابل کے امام ابو حنیفہ مدرسہ میں داخل ہوئے۔ ۱۳۵۶ھ ش میں انٹر میڈیٹ کرنے کے بعد افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب برپا ہوا۔ چنانچہ پاکستان ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ یہاں پشاور میں جمعیت اسلامی افغانستان کے نشریاتی شعبے سے منسلک ہوئے اور جریدہ مجاہد کے رائٹر منتخب ہوئے۔ مجاہد تنظیموں کے اتحاد کے بعد قیامِ حق مجلّہ کے مدیر مقرر رہوئے۔ اس کے بعد مجاہد جریدہ اور بصیرت کے مسؤل مدیر بنے۔[۱]

۱۳۶۸ھ ش میں صوبہ پکتیا کے مجاہد کمانڈر جلال الدین حقانی کی فرہنگی کمیٹی کے چیف مقرر ہوئے۔ جہاد اخبار، دجہاد ہنداره (آئینہ جہاد) اور منبع الجہاد پشتو، اردو، فارسی اور عربی مجلّات کے مدیر مقرر کیے گئے۔ کئی سال تک یہاں خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران اسلام آباد میں قائم جہادی ثقافتی شوریٰ اور مرکز تحقیقات افغانستان سے بھی وابستہ رہے۔

ننگیال صاحب سے راقم الحروف کی کوئٹہ اور پشاور میں کئی ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ آپ ایک مستعد لکھاری ہیں۔ کئی مجلّات کے علاوہ اخبارات (افغان مجاہد، مجاد اولس، شہادت، سہار، اور وحدت وغیرہ) میں مقالات اور کالم چھپتے رہے ہیں۔

آپ بیک وقت عربی فارسی اردو اور پشتو میں لکھتے رہے ہیں۔ آپ کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ آثار و تالیفات کی تفصیل خاصی طویل ہے۔[۲]

شہرت ننگیال کے فکر و فن پر حضرت علامہ کے افکار کا پرتو جلوہ گر ہے۔ آپ کے عمومی شہ پاروں پر حضرت علامہ کے گہرے اثرات کا غالب ہونا آپ کے اقبال سے قلبی لگاؤ

کا بین ثبوت ہے۔ آپ کی شاعری ایمانی جذبے اور جہاد کی شاعری ہے اور شاعری میں جابجا حضرت علامہ کی تراکیب کا استعمال کیا ہے۔ افغان جہاد سے متعلق اردو اشعار و منظومات کو یکجا کر کے ننگیال نے خون کی پکار کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے بیک ٹائٹل پر حضرت علامہ کی تصویر اور عقاب کے ساتھ درج ذیل ابیات شائع کیے ہیں:

آسیا یک پیکر آب و گل است ملتِ افغان درآن پیکر دل است
از فسادِ او فسادِ آسیا در کشاد او کشادِ آسیا
تادل آزاد است آزاداست تن ورنہ کاہے در رہِ باد است تن[۳]

شہرت ننگیال نے سید سلیمان ندوی کا سفر نامہ سیرِ افغانستان پشتو میں ترجمہ کیا ہے جو قسط وار مجلّہ افغانستان میں شائع ہوتا رہا۔[۴] آپ نے لاہور میں حضرت علامہ کے مزار پر حاضری دی اور پشتو میں یوں خراجِ تحسین پیش کیا:

چې خاوند د ژور فکر او لوړ خیال دې
فلسفی شاعر دانا د ژوند په حال دې
خود په اوسی لاهور لوړ سر هسکه غاړې
چې روزلی یي نامتو ادیب اقبال دې[۵]

ترجمہ: جو گہرے فکر اور بلند خیالات کا مالک ہے وہ فلسفی شاعر اور رمزِ حیات کا دانا ہے۔ لاہور یقیناً فخر سے سر بلند رکھنے کا حقدار ہے جس نے معروف ادیب اقبال کو پیدا کیا۔

مآخذات

(۱) ستوری د ادب پہ آسمان کی، (پشتو تذکرہ) محمد داود وفا، مطبوعہ دانش کتابتون پشاور، ۱۳۷۹ھ ش ص ۵۰۸
(۲) ایضاً، ص ۵۱۰ تا ۵۱۱
(۳) خون کی پکار، عبد الباری شہرت، ننگیال مطبوعہ پشاور ۱۳۶۲ھ ش، بیک ٹائٹل
(۴) مجلّہ افغانستان، پشاور، جولائی ۱۹۹۶ء، ص ۸۰
(۵) د افغان مجاهد آواز، (پشتو شعری مجموعہ)، عبد الباری شہرت ننگیال، مطبوعہ پشاور ۱۳۵۹ھ ش، ص ۳۶

عبدالحق بیتاب صوفیؔ (ملک الشعرا)

عبدالحق بیتابؔ عبدالاحد عطار کے گھر گذر قصاب پل خشتیؔ کابل میں ۱۳۰۶ھ ق میں پیدا ہوئے۔ آپ عہدِ امیر حبیب اللہ خان کے مشہور فضلا و شعرا میں شمار ہوتے تھے۔ [۱]

ابھی بیتابؔ کی عمر آٹھ سال ہی تھی کہ والد کا سایہ سر سے گزر گیا لہٰذا ابتدائی تعلیم کی ذمہ داری آپ کے اساتذہ ملا عبدالغفور اخوندزادہ و ملا عبداللہ ملقب بہ مرشد نے اپنے سر لے لی۔ [۲]

آپ نے یہاں سے عربی علوم سیکھے اور ان کا رجحان شاعری کی طرف ہوا اور ملک الشعرا قاری عبداللہ سے اس ضمن میں بھرپور استفادہ کیا۔ استاد بیتابؔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، صرف و نحو، معانی، بدیع، بیان، قافیہ اور نجوم کے علوم میں مہارت رکھتے تھے۔

عبدالحق بیتابؔ تقریباً پچاس سال تک مختلف تعلیمی اداروں میں خدمات انجام دیتے رہے۔ افغانستان بھر میں ایک قابلِ قدر استاد کی حیثیت سے تسلیم کیے جاتے تھے۔ مذہباً حنفی اور تصوف میں نقشبندیہ سلسلے سے تعلق تھا۔ تصوف میں خلیفہ کے درجے تک پہنچ چکے تھے۔ [۳]

۱۳۳۱ھ ش میں افغانستان کے ملک الشعرا منتخب ہوئے۔ کئی تصنیفات و تالیفات کے مالک تھے۔ تراجم میں بھی فعال کردار ادا کیا۔ بدیع، بیان اور مفتاح الغموض کے رسالے تالیف کیے۔ چند مطبوعہ کتب درج ذیل ہیں:

۱- ترجمان الشافعیه (صرف)

۲- گفتار روان درعلم بیان

۳- دیوانِ بیتابؔ

غیر مطبوعہ آثار درج ذیل ہیں:

۱- ترجمة الكافيه (نحو)

۲- مفتاح الغموض (عروض)

۳- ترجمه منطق (مؤلفه خیر الدین مصری)

۴- ترجمه موجز (طب) رساله الفروق الامراض

۵- اصول التر کیب (ترجمہ)

۶- شیخ نجیب الدین سمر قندیؔ کے کتاب علم الاجتماع طبع مصر کے جز اول کا ترجمہ بھی کیا۔

پانچ سال تک شیخ الہند کی تفسیر کے ترجمہ و تصحیح کی کمیٹی کے ممبر بھی تھے۔ (۴)

مشاہیر افغانستان میں عبد الحق بیتابؔ کی چند دیگر تالیفات کا ذکر ملتا ہے مثلاً:

۱- علم معانی

۲- علم بدیع

۳- تصوف (ادبیات کے طلبہ کے لیے)

۴- دستورِ زبان فارسی

۵- عربی (کالج نصاب کے لیے)

تراجم:

۱- انشا مقالات

۲- ترجمہ ابن عقیل

۳- مقدمہ سرخاب (علم رمل کا رسالہ)

۴- ایسا غوجی

۵- ترجمه شافعیه

۶- علمِ صنعت (۵)

جناب عبد الحق بیتابؔ ۸۲ سال کی عمر میں افغانستان میں سینٹ کے ممبر منتخب ہوئے۔ آپ سہ شنبہ ۲۰ حوت ۱۳۴۷ھ ش ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ ق / ۱۱ مارچ ۱۹۶۹ء کو حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے کابل کے ابنِ سینا ہسپتال میں انتقال کر گئے۔ (۶)

عبدالحق بیتابؔ اپنے استاد ملک الشعرا قاری عبداللہ کی طرح ایک معروف اقبال شناس تھے۔ آپ نے اقبال کو علامہ مشرق کا خطاب دیا اور ایک مستقل منظومے میں حضرت علامہ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ آپ کے گہرے قلبی جذبات اقبال سے آپ کے گہرے عشق کے آئینہ دار ہیں:

"علامہ مشرق"

مرد آزادہ داکتر اقبال — آن بہی خواہ قوم درہمہ حال
تا کہ جان داشت گفت آزادی — تادم مرگ خواست استقلال
غیر خدمت برای ہمنوعان — درسر او دگر بنود خیال
خامۂ اوچو سور اسرافیل — روح معنی د مید در اجیال
باغم قوم خاطرش توام — در وطن دوستی نداشت مثال
برسرحق قوم بااعدا — ہمہ اوقات داشت جنگ وجدال
پی تامین وحدت ملی — عمر درباخت آن ستودہ خصال
اندرین رہ کشیدز ہمتہا — گشت سیمای بدر او چوہلال
ثمر سعی او بود کہ شدہ — ملکش آزاد بعد چندین سال
کاش بودی حیات تادیدی — آخرین آرزوی خود اقبال
ابن زمان فرد فرد پاکستان — ہست ممنونش از سا ورجال
یادوبودی از و کنند مدام — نمایند زین مدام اہمال
بلکہ این نوغ شخص ملی را — عالمی قدردان بود بکمال
قوام افغان کہ خطرہ ہستند — جملگی دوستدار استقلال
مسلکا دوستدار اوباشند — زوستایش کنند درہمہ حال
روح این مرد دائما خواہد — شاد و خرم زایزد متعال
از برایش بہشت ازدر حق — ہمچو بیتابؔ میکند سوال (۷)

مآخذات

(۱) تاریخ ادبیات افغانستان، غلام محمد غبار، کتابخانہ آرش، پشاور، طبع دوم ۱۳۷۸ھ ش، ص ۹۲

(۲) سیماھا و آوارھا، نعمت حسینی، جلد اول، مطبع دولتی کابل ۱۳۶۷ھ، ش ص ۱۷

(۳) آریانا دائرۃ المعارف، (پشتو) دورہ اول جلد ۶، مطبع دولتی کابل ۱۳۵۵ھ ش ص۔ ۵۳۹

(۴) سیماھا و آوارھا، ص ۷۲

(۵) مشاہیر افغانستان، جلد ۲، ص ۵۰

(۶) آریانا دائرۃ المعارف، جلد ۶، ص ۵۴۰

(۷) پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې (پشتو) عبد اللہ بختانی خدمتگار ص۔ ۶۵

سفر افغانستان کے دوران حضرت علامہ اور ان کے رفقا سفر باغ بابر کابل

عبدالحئ شیدا

عبدالحئ شید افغانستان کے مشہور شاعر ہیں آپ کے حیات و آثار سے متعلق معلومات نہیں مل سکیں البتہ آپ نے حضرت علامہ کے مشہور غزل پر ذیل مخمس لکھی ہے جو آپ کی اقبال شناسی کی دلیل ہے:

مارا به بار گاه سعادت مقر بده در اوجنای برج فلاحت گذر بده
وجدان پاک طنیت خیر البشر بده یارب درون سینه دل باخبر بده
درباده نشه را نگرم آن نظر بده

جز سوز و درد زندگی ام را نشانه نیست دل بر سر فراز هدف سخت خون گریست
سرپای همت من ارتعاش چیست این بنده را که بانفس دیگران خون گریست
یک آه خانه زاد مثال سحر بده

بانور خویش قلب عمینم بکن بسیج بزدای از کرم دمک های وهوی گیچ
جز فضل نصرت ات نبود آرزوی هیچ سلیم مرا به جوی تنک مایه مپیچ
جولانگهی به وادی کوه وکمر بده

تدبیر اگر نبود در این امتحان مرا رنگ شکست چهره کند زعفران مرا
در ابتدای کشمکش جاودان مرا سازی اگر حریف یم بیکران مرا
با اضطراب موج سکون گوهر بده (۱)

مآخذ

(۱) افغانستان و علامہ اقبال، ص ۳۵۱

عبدالرحمٰن پژواکؒ

جناب عبدالرحمان پژواک کا شمار معاصر افغانستان کے نامور علمی، ادبی اوسیاسی زعما میں ہوتا ہے نام عبدالرحمٰن تخلص پژواکؒ ہے۔ آپ کے والد کا نام قاضی عبداللہ خان ہے قبیلوی لحاظ سے معروف خیل احمدزی پشتون تھے۔ آپ غزنی میں ۱۲۹۷ھ ش میں پیدا ہوئے۔

جب آپ کی عمر دو برس ہوئی تو آپ کے والد صاحب کابل میں قاضی مقرر ہوئے۔ اور آپ کو کابل بلایا گیا۔ ابتدائی تعلیم ننگرہار کے سرخ رود گاءوں باغوانی میں اپنے والد سے حاصل کی۔ پر مطلع دانش میں دوسری جماعت تک پڑھا۔ تیسری جماعت خوگیانی کے کژہ نامی مقام سے پاس کی۔ والد کے بلانے پر کابل میں اندرابی سکول میں چوتھی جماعت میں داخلہ لیا۔ وہاں سے فراغت کے بعد حبیبیؔ سکول سے وابستہ رہے۔ بارہویں تک حبیبیہ لیسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد طبیہ کالج کابل میں داخل کئے گئے۔ عدمِ دلچسپی کی بناء پر دو سال کے بعد وہاں سے نکلے۔ والد کا انتقال ہوا مجبوراً سلسلہ تعلیم کو خیرباد کہنا پڑا۔

کابل میں انجمن ادبی کے شعبہ تاریخ میں انگریزی زبان کے مترجم مقرر ہوئے، جب مطبوعات کا مستقل ریاست تشکیل پایا۔ تو وہاں سے وابستہ ہوئے۔ اصلاح اخبار کابل کے مسؤل مدیر مقرر ہوئے۔ اس کے علاوہ افغانستان کے سرکاری اطلاعاتی ادارے باختر اژانس کے مدیر اعلیٰ کا منصب عطا ہوا۔ کچھ عرصے کے بعد پشتو ٹولنہ کے مدیر اعلیٰ اور پھر ریاست مطبوعات کی نشریات کے مدیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اس عہدے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لندن میں افغانستان کے سفارتخانے میں سیکنڈ سیکریٹری کی حیثیت سے تعینات ہوئے اور وہاں پر پریس اتاشی کا عہدہ سنبھالا۔

مجموعی طور پر اقوام متحدہ کی جانب سے منعقدہ بین الاقوامی اجلاس میں جناب پژواکؔ ہی افغانستان کی نمائندگی کرتے ہوئے ۱۹۵۴ء میں وزارت خارجہ سے منسلک ہوئے۔ اس کے بعد اقوامِ متحدہ میں افغانستان کے نمائندے کی حیثیت سے تعیناتی عمل میں آئی۔ کچھ عرصے تک ہندوستان میں افغانستان کے سفیر رہے۔ (۱)

افغانستان میں کیمونسٹ انقلاب کے بعد ہجرت پر مجبور ہوئے ہندوستان، امریکہ اور پاکستان میں مہاجرت کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے اور آخرکار ۸ جون ۱۹۹۹ بمطابق ۱۸ جوزا ۱۳۷۴ھ شب بمطابق ۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ ق پشاور کے حیات آباد میں وفات پائی اور اگلے روز اپنے آبائی گاوں کلی باغوانی سوررود صوبہ ننگرہار میں تدفین ہوئی۔ (۲)

جناب پژواکؔ پشتو اور فارسی میں نئے افکار سے آشنا شاعر اور ادیب تھے خاص کر فارسی شاعری کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ ان کا شمار فارسی کے درجہ اول کے شعراء میں ہوتا ہے۔ (۳)

جناب عبدالرحمان پژواکؔ کے پشتو ،فارسی اور انگریزی مطبوعہ و غیر مطبوعہ آثار کی خاصی طویل ہے۔ (۴)

جناب پژواکؔ کا شمار افغانستان کے اقبال شناسوں میں ہوتا ہے آپ کی شاعری پر اقبال کے فکر وفن کے گہرے نقوش ثبت ہوچکے ہیں اس کا پرتو آپ کی فارسی شاعری کے مجموعے گلہائ اندیشہمیں نمایاں ہیں۔ یہ مجموعہ ۱۳۴۴ھ ش میں مطبع معارف کابل کی جانب سے شائع ہوا ہے۔ اس مجموعے پر معروف افغان اقبال شناس سید خلیل اللہ ہاشمیان نے ادبی نقد لکھا ہے جو افغانستان میں عرفان مجلّہ کے خصوصی شمارے میں شائع ہوچکا ہے۔ (۵)

اس کتاب کے دیباچے میں ڈاکٹر روان فرہادیؔ نے پژواکؔ کی غزلیات، قصائد اور مثنویوں میں اساتذہ فارسی شعرا کی یاد کو پایا ہے۔ ان اساتذہ کی قطار میں حضرت علامہ اقبال بھی نمایاں ہیں۔ ملاحظہ ہو ڈاکٹر روان فرہادیؔ کے تاثرات:

غزل پژواکؔ یاد از رودکی، سعدی، دیوان شمس، حافظ و صائب میدھد و قصیدہ و مثنوی او مانند فرخی و مولانای بلخیؒ و اقبال لاہوریست......

جناب ہاشمیان نے اس ادبی نقد میں جابجا پژواک کے فکر و فن پر حضرت علامہ کے حوالے سے تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

و یادریں مثنوی کہ درمقاسیہ شرق و غرب از اقبال نیز جلوتر رفتہ است کلمات ہر کدام مرو اریدوار تلالؤ دارد۔

زساحل سوی دریارہ بریدم — درآن دریا بی ہنگامہ دیدم
بدریا گرشوی باری زساحل — شگفتی دریں آب و گل
چہ گویم زاں محیط بی کرانہ — گروگانش دل من جاودانہ
لمبوجش برفنون قوت و زور — بہ قلبش درجنون جذبہ و شور
بہ شور و شوق و مستی چون دل بود — چو دل اور انہ پیدا ساحل بود
روان بر آب ہائی او سفینہ — چو لغزان مہرہ ای برآبگینہ
زعکس اختران از ہر کنارہ — شدہ آغوش اوپر از ستارہ
زانجم دامنش چون چرخ اخترہ — برش پراز فراوان درو گوہر
گہی آئینہ آرایش شید — دگر گہ جلوگاہ نور ناہید
زما ہ نویدست او سوارہ — زروشن کوکبانش گوشوارہ
جمال دختران آسمانی — درو تابان چورح شادمانی (۶)

ایک اور مقام پر ہاشمیان پژواک کے کلام کی روشنی میں حضرت علامہ اور پژواک کے درد کو مشترک بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

درچکامہ مقاسیہ شرق و غرب کہ قسمتی ازاں نقل میشود جہان بینی و دردی کہ شاعر از پہائی شرق دارد پدیدار است پژواک نیز مانند اقبال بد بختی مردم این سامان را بدوستی تشخیص نمودہ است۔

زمغرب سوی خاور شد خیالم — دگر گوں گشت زیں اندیشہ حالم
گراں اندیشہائی شرق چون خاک — سبک اندیشہ ہائی غرب و چالاک
مثال شرق چوں کوہ گرانست — محیط غرب چوں بحر روان ست
مثال این و آن چوں بحر و ساحل — چو ساحل ماندہ بر جامشرق کاہل
کہ ماہ و نور بیانید و بتابند — بہ قلب کوہسار ش رہ نیابند

چو دریا غرب مگیر دد شتابان — سرراه مہ و خور شید تابان
کہ دریا بد فروغ زندگی را — بشوید ننگ برجاماندگی را
سبک روح و سبک پرواز چوں باد — سبک خیز و سبک جولانی و آزاد
دل شرقی دل است اما فسردہ — فروہا شمع آزادیش مردہ
زبانش بستہ وروحش اسیر است — زبرجاماند گہباناگزیر است (٧)

مآخذات

(١) آریانا دائرة المعارف، دورہ دوم، جلد ٢، د افغانستان اسلامی جمہوریت دعلوموا اکادمی د دائرہ المعارف ریاست، کابل، ١٣٨٧ھ ش، ٢٠٠٨ء، ص ٤٠٢، ٤٠٣

(٢) ویاړلی، ڈاکٹر عبدالروف رفیقی، جلد ٢، د افغانستان ملی تحریک و ڈاکٹر رفیقی سیڑ نیز مرکز کوئٹہ ٢٠١٧ء، ص ٨٣٠ تا ٨٣٢

(٣) اوسنی لیکوال، عبدالروف بینوا، جلد اول، ص ١٦٧

(٤) سیماھاآوارھا، ص ١٢٨

(٥) مجلہ عرفان کابل، اسد ١٣٤٧ھ ش، ص ٩٩ تا ١١٢

(٦) ایضاً، ص ١٠٢

(٧) ایضاً، ص ١٠٩

عبدالروف بینوآ

عبدالروف بینوآکا شمار پشتو شعر و ادب کے عناصر خمسہ میں ہوتا ہے۔ آپ مفتی عبداللہ علیزئی ولد ملاعبدالحق ولد گلستان ولد ملاگلاب اخوند کے گھر واقع کوچہ سید حسن نزد خرقہ مبارکہ شہر قندھار ۱۲۹۲ھ ش ۱۹۱۳ میں پیدا ہوئے۔ قبیلوی لحاظ سے رودی علیزئی پشتون تھے۔[۱] گھریلو تعلیم کے علاوہ کئی علوم پڑھے۔ پشتو کے علاوہ فارسی، اردو اور عربی پر عبور حاصل تھا جبکہ تحریرات پشتو اور فارسی میں موجود ہیں۔

۱۳۱۸ھ ش میں پشتو ٹولنہ سے منسلک ہوئے۔

۱۳۲۳ھ ش میں پشتو ٹولنہ کابل کے سربراہ منتخب ہوئے۔

۱۳۲۷ھ ش پشتو ٹولنہ کے صدر اور تاحیات ممبر۔ کابل یونیورسٹی کے لسانیات و ادبیات کے پشتو شعبہ کے استاد کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۳۳۰ھ ش تا ۱۳۳۲ھ ش مطبوعات کے مستقل ریاست میں مدیر رہے۔

۱۳۳۴ھ ش ریڈیو افغانستان کے رئیس بنے۔

۱۳۴۰ھ ش مصر میں افغان سفارتخانے کے کلچرل اتاشی بنے۔[۲]

۱۳۴۳ھ ش دہلی میں افغان سفارتخانے کے پریس مشاور بنے۔

۱۳۴۵ھ ش افغانستان کے وزیر اطلاعات و کلچر منتخب ہوئے۔

۱۳۵۵ھ ش مرکز تحقیقات پشتو کے مشیر رہے۔

۱۳۵۷ھ ش افغانستان کی اکیڈیمی علوم سے وابستہ رہے۔

۱۳۵۸ھ ش صدر افغانستان کے فرہنگی مشیر بنے۔

۱۳۵۹ھ ش لیبیا میں افغانستان کے سفیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔[۳]
۱۳۶۳ھ ش سفارت چھوڑ کر امریکہ مہاجر ہوئے۔
۱۳۶۳ھ ش ۲۱ جدی بمطابق ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ق بمطابق ۱۱ جنوری ۱۹۸۵ء نیویارک میں وفات پائی اور نیوجرسی میں سپرد خاک ہوئے۔

استاد بینوا پشتو و فارسی میں لکھتے تھے جبکہ اردو و عربی سے تراجم کیے ہیں۔ مختلف علمی و ادبی اور تحقیقی موضوعات پر تقریباً پانچ سو مقالات تحریر کر چکے تھے۔[۴]

جناب عبدالروف بینوا کے پشتو، فارسی، عربی اور انگریزی مطبوعہ و غیر مطبوعہ آثار و تالیفات کی خاصی طویل ہے۔[۵]

عبدالرؤف بینوا کے اشعار و افکار پر جابجا حضرت علامہ کے گہرے اثرات ملتے ہیں۔ حضرت علامہ سے فکری و معنوی ہم آہنگی اور ان کی سوچ سے یکسانیت کی بنیاد پر حضرت علامہ سے کافی شغف رکھتے تھے۔

حبیب اللہ اولس یار کے ایک مقالے "معاصر افغانی ادب" میں یہ حوالہ یوں دیا گیا ہے:

بینوا د هند د سترو لیکوالو په تیره بیادتاګور او اقبال د آثار و ښخه پوره متاثر دي د تاګور دګیتانجلی او دا اقبال "مسافر" دده ادبی ترجمې دی۔[۶]

ترجمہ: "بینوا ہندوستان کے لکھنے والوں خاص کر ٹیگور اور اقبال کے آثار سے خاصے متاثر ہیں۔ ٹیگور کے گیتانجلی اور اقبال کی مسافر کے ادبی تراجم کیے ہیں"۔

حضرت علامہ کی فارسی مثنوی مسافر کا منظوم پشتو ترجمہ کر کے بینوا نے افغانستان میں اقبال شناسی کی راہ کو مزید ہموار کر دیا۔ آپ کا یہ اثر قسط وار کابل کے انیس اخبار میں شائع ہوتا رہا۔ البتہ باقاعدہ طور پر تشنہ طبع رہا۔

مآخذات

(۱) ویاړلی، ڈاکٹر عبدالروف رفیقی، جلد ۲، د افغانستان ملی تحریک و ڈاکٹر رفیقی سیڑ نیز مرکز کوئٹہ ۲۰۱۷ء، ص۸۷۷ تا۹۱۷

(۲) آریانا دائرة المعارف، دورہ دوم، جلد ۲، د افغانستان اسلامی جمہوریت د علوم واکادمی د دائرہ المعارف ریاست کابل، ۱۳۸۷ھ ش، ۲۰۰۸ء، ص ۴۰۲، ۴۰۳

(۳) ستوری د ادب پہ آسمان کی، ص۶۲۱-۶۲۲

(۴) فرہنگ زبان و ادبیات پشتو، جلد ۲، ص۲۳۳

(۵) ستوری د ادب پہ آسمان کی، ص۶۲۲- ۶۲۹

(۶) د افغانستان کالنی، ۳۸- ۱۳۳۹ھ ش، ص۴۶۱

ڈاکٹر عبدالغفور آرزو

میرے لیے نہایت باعث صد افتخار ہے کہ میں یہاں ''اقبال اور افغان شعرا'' میں افغانستان کے ایک اہم اقبال شناس شاعر کو پہلی مرتبہ یہاں متعارف کرا رہا ہوں یہ شخصیت ہیں جنابڈاکٹر عبدالغفور آرزو جن سے میری ملاقات کابل میں ایک علمی سیمینار ''سیمینار علمی بین المللی بزرگداشت از شخصیت و کارنامه‌های عبدالهادی داوی'' میں ہوئی یہ سیمینار افغان وزارت خارجہ کی جانب سے منعقد کی گئی تھی۔ سیمینار میں رسمی گفتگو کے بعد کابل کے ایک اہم ہوٹل میں خارجی مہمانوں کے اعزاز میں منعقدہ خصوصی ضیافت میں جناب ڈاکٹر آرزو صاحب کی علمی فیاضیوں کو سمیٹنے کا اہم موقع ملا۔ میرے اور ڈاکٹر آرزو کی کئی اقدار مشترک نکلیں۔ مثلاً مولوی شناسی، اقبال شناسی، جمال الدین افغانی شناسی، و دیگر۔ اس ایک ملاقات میں جناب آرزو سے تاریخ، علم وادب، دین و الٰہیات، تصوف و عرفان شعر و سخن اور دیگر امور پر سیر حاصل گفتگو رہی۔

اتفاق سے اس سیمینار کے اعزاز میں افغان وزارت خارجہ نے جو کتابیں شائع کیے تھے ان میں اس ناچیز کی ایک کتاب بعنوان ''عبدالهادی داوی؛ اقبال شناس شهیر افغانستان'' باور جناب ڈاکٹر آرزو کی کتاب ''نقش عبدالهادی داوی در دو بزنگاه تاریخی؛ جنبش مشروطیت و دموکراسی شاهی'' بھی شامل تھے جو شرکائے سیمینار میں تقسیم کیے گئے۔ آرزو کی اس کتاب کے مطالعہ سے مجھے ان کی وسیع النظری اور افغان تاریخ پر ان کی عمیق دست رست کا آسانی سے اندازہ ہوا۔

ڈاکٹر عبد الغفور آرزو فرزند ہرات ہیں، جو خواجہ عبداللہ انصاری، مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی، امیر علی شیر نوائی فانی، مولانا حسین واعظ کاشفی، فقیہ بزرگ ملا علی قاری اور بالآخر علامہ محمد اقبال کے صمیمی دوست علامہ استاد صلاح الدین سلجوقی کی جنم بومی ہے۔ ڈاکٹر آرزو کو ان بزرگوں کی متاع علم، ادب اور ہنر میراث میں ملی۔

وہ شہید اختر محمد خان کے گھر ۱۳۴۰ھ ش کو ہرات میں پیدا ہوئے۔ ہرات کو شہر عارفان و دانشمندان بھی کہا جاتا ہے۔ آغاز جوانی ہی سے ادبیات اور فلسفہ کے مطالعہ سے عشق پیدا ہوا۔ پندرہ سال کی عمر میں شعر گوئی کا آغاز ہوا۔ ابھی عمر سترہ سال ہی تھی کہ انقلاب ثور کے نتیجے میں قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہوئے۔ رہائی کے بعد روسی جارحیت کے خلاف عملی طور پر جہاد میں حصہ لیا مگر کتاب و قلم سے ناطہ نہیں توڑا۔ مطالعہ اور طلب علم کا سلسلہ جاری وساری رہا۔ یہاں تک کہ فارسی ادبیات میں ڈاکٹریٹ کا اعزاز نصیب ہوا۔

مہاجرت کے دوران درس و تدریس کے ذریعے خدمات انجام دیتے رہیں اور نظم و نثر میں خدمات انجام دیتے رہیں اور کئی مطبوعات منصۂ شہود پر آئے۔

افغانستان سے روس کی پسپائی کے بعد تاریخی شہر ہرات صوبے کے رئیس داری کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ کچھ عرصے تک ایران میں نائب افغان سفیر تھے اور اس کے بعد تاجکستان میں افغانستان کے سفیر کی حیثیت سے تعینات رہے۔

جناب ڈاکٹر عبد الغفور آرزو کے آثار و تالیفات کی مختصر تفصیل ذیل ہے:

مطبوعہ آثار

الف) سیاست شناسی:

۱- سیاست خارجي افغانستان درقرن ۲۱

۲- افغانستان وجامعۂ جهاني

۳- چگونگی هویت ملی افغانستان

۴- روشنفکر کیست

۵- دکترین سیاست خارجی وسیاست های راهبردی

۶- بحران آب و دیپلوماسی خاموش

۷- تداوم سیاست خارجی و چالش های مرحله‌ی گذار

۸- نواندیشی و دیپلوماسی مدرن افغانستان (محمدولی خان دروازی)

۹- روشنفکر و چگونگی روشنفکری

۱۰- نقش عبدالهادی داوی در دو بزنگاه: جنبش مشروطیت و دموکراسی شاهی

ب) عرفان:

۱۱- شعر و شهود عارفانه

۱۲- مقایسه‌ی انسان کامل از دیدگاه بیدل و حافظ

۱۳- گوهر گم شده‌ی همگرایی.

ج) بیدل شناسی:

۱۴- گزیدۂ رباعیات بیدل

۱۵- بوطیقاي بیدل،

۱۶- خوشه هایی از جهان بینی بیدل،

۱۷- ترصدایی بیدل،

۱۸- درخانه‌ی آفتاب (*سیری در احوال و آثار بیدل*)،

د) ادبیات و نقد ادبی:

۱۹- نقد خلیلي (پژوهشی گذرا بر جهان نگري استاد خلیل الله خلیلي)

۲۰- سیاه سپید اندرون (سیري در آثار مولانا حاج محمد اسماعیل سیاه)

۲۱- درنگي در ادبیات فرنگ (بررسی مکاتب ادبی غرب از کلاسیسیسم تا سوررئالیسم)

۲۲- هیچ گنجي نیست از فرهنگ به (مجموعه مقالات همایش بین المللي رود کي در افغانستان)

۲۳- شادزي..... (در قلمرو ابوعبدالله رود کي)

۲۴- عاشقان را خداي صبر دهاد (در قلمرو فرخي سیستانی)

۲۵- باز گشت ادبی (بیگانه بر گی در ادبیات افغانستان)

۲۶- عشق ست خلاصه ي وجودم (در قلمرو لیلي و مجنون نظامي)

۲۷- اگر فرهاد شد شیرین بماناد (دریچه ای بر قلمرو خسرو و شیرین نظامي)

۲۸- ز گیتي بر آهیخت شعر بنفش (در قلمرو ورقه و گلشاه عیّوقي)

۲۹- صد صفر و یک الف

۳۰- چگونگی حماسه سرایی در ادبیات معاصر افغانستان،

ہ) قرآن پژوہی:

۳۱- نیم نگاهی به تفسیر مفاتیح الغیب.

و) نقد و تصحیح متون:

۳۲- دیوان محمد امین عندلیب طرزي (تصحیح بر اساس سه نسخه)

۳۳- بدرود: اشعار روان شاد دکتور عبدالرسول آرزو (جمع آوری، مقدمه، نگارش و ویرایش)

ز) شعر:

۳۴- جاري تر از همیشه

۳۵- چشم در چشم آینه

۳۶- سرود مسلسل

۳۷- حماسه ی ساتی برزن (چاپ: ۲ بار)

۳۸- چهار شاعر، چهار برادر

۳۹- لبخند خدا (به خط فارسی و سریلیک)

ح) رودکی شناسی

۴۰- هیچ گنجي نیست از فرهنگ به (مجموعه مقالات همایش بین المللي رودکي درافغانستان)

۴۱- شادزي..... (درقلمرو ابو عبدالله رودکي)

غیر مطبوعہ آثار

۴۲- یک بیت، یک کتاب

۴۳- درون کاوی جامعه شناسیک دوره‌ی ابدالیان

۴۴- سرسخن

۴۵- گردش اندیشه

۴۶- چکیده

۴۷- پرسمان

۴۸- تولید فکر

۴۹- دریچه‌ای به قلمرو تیموریان هرات

۵۰- عبور از شکر رنجی (نقد ادبی)

۵۱- شط بی گدار (شعر)،

۵۲- چترنگاه (شعر)،

۵۳- باغچه‌ی بی هرس (شعر)،

۵۴- درروز گار خاکستری (شعر)

۵۵- قطره قطره اشک

۵۶- نخچیر (داستان های کوتاه)

۵۸- شمزه بلور برف (داستان)

۵۸- زمین وزمان یخ بسته بود (رمان)

۵۹- موسیقی در آیینه‌ی ادب وعرفان

۶۰- شرع بی پیرایه،

وچند اثر دیگر.

جناب ڈاکٹر آرزو کی علمی و ادبی شہرت افغانستان سے نکل کر عالمی سطح پر پہنچ گئی ہے۔ اب تک کئی بین الاقوامی سیمینارز میں مختلف موضوعات پر مقالات پیش کر چکے ہیں۔ ان سیمیناروں میں بعض ذیل ہیں:

- اشتراك درسمينار علمي در (Zurich University سویس ۱۳۷۷ش / ۱۹۹۸ء)
- اشتراك در كنفرانس علمي در (Princeton University نيوجرسي امريكا ۱۳۸۰ش / ۲۰۰۱ء)؛
- اشتراك درتعداد زيادي از سيمنار هاي علمي در دانشگاه هاي ايران (۱۳۸۱-۱۳۸۶ش)
- مركز شرق شناسي سويس (۱۳۸۷ ش / ۲۰۰۸ء)
- عرس ميرزا عبدالقادربيدل (ہندوستان ۱۳۸۲ش / ۲۰۰۳ء و ۱۳۹۲ ش / ۲۰۱۳ء)
- مولانا جلال الدين بلخي ،(تبریز—ایران، ۱۳۸۳ ش)
- همايش فرهنگي ايران، افغانستان و تاجكستان (دانشگاه تهران، ۱۳۸۴ ش)
- دبيرهمايش بين المللي ابوعبدالله رودكي (افغانستان، هرات ۱۳۸۸ ش)
- شركت و حضور علمي فرهنگي در بيشترين همايش هاي فرهنگي ، سياسي، علمي و ادبي افغانستان
- حضوردرهمایش های سیاسی، علمی وفرهنگی درتاجکستان.

جامعہ الازہر مصر کے فیکلٹی مطالعات انسانی کے شعبہ زبان و ادبیات فارسی سے محترمہ کلثوم محمد امین نے "**الأديب الناقد الأفغاني المعاصر الدكتور عبدالغفور آرزو**" ڈاکٹر آرزو کے فن و شخصیت پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کا اعزاز حاصل کیا ۔

جناب ڈاکٹر آرزو کی علمی ، فرہنگی و سیاسی خدمات کے اعتراف میں افغانستان کے صدر حامد کرزی کی جانب سے ان کو غازی میر بچہ خان کو ہدامنی ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔ (کابل، حمل ۱۳۹۳ خورشیدی)

جناب آرزو کو نایل کو جمہوری اسلامی ایران میں فردوسی کے بین الاقوامی سیمینار میں نظریۂ "**افزایش ظرفیت زبان تمدنی** با استفادہ از زبان ہای ہم خانوادہ چون فارسی، پشتو، کردی، بلوچی، لری و زبان ہای پامیری" حکیم ابوالقاسم فردوسی کا ہنری اور فرہنگی ایوارڈ بھی عطا ہوا۔ (ایران، اردیبہشت ماہ ۱۳۹۶ خورشیدی).

افغانستان کے موجودہ صدر دکتور محمد اشرف غنی نے کریس آندرسن کو انٹرویو دیتے ہوئے دکتور عبدالغفور آرزو کے بارے میں کہا:

> 19 years ago, when I returned after 24 years, I couldn’t find 5 people to write. We had lost our language, all of our languages, today in poetry ,improv , novels, to penny novels, to literary criticism, the country is vibrant. Its one of greatest conversations that is happening and people are engaging each other. Just two epic poets, one called Arezou in Dari and one called Lival in Pashto, produce literature that I think will be read for the next 400 years.

۱۹ سال قبل جب میں ۲۴ سال کے بعد افغانستان لوٹا مجھے پانچ اہل علم زعما نہیں مل سکیں ہم زبانوں سے ہاتھ دھو چکے تھے ہم سب کچھ کھو چکے تھے مگر آج مملکت میں ہماری زبانیں دوبارہ دوبارہ محو پرواز ہیں شاعری، رومانوی ادب، افسانہ ادبی تنقید جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں اس سلسلے میں میرے دو ادبی دوست (دو حماسی شعر ادری اور او پشتو زبان میں ڈاکٹر آرزو اور ڈاکٹر لیوال نے اس قدر گنی اور محتوای سے بھرپور آثار لکھے ہیں کہ مجھے یقین ہیں کہ آئندہ چار سو سال تک ان کے آثار زیر مطالعہ رہے گے۔

حضرت علامہ کے فلسفیانہ افکار سے خاصے متاثر ہیں اقبال کے عمیق فلسفیانہ افکار کے بحر بیکراں سے ہمیشہ گوہر تدبر و تفکر نکالتے رہتے ہیں۔

چنانچہ اپنی مشہور و معروف کتاب "روشنفکر و چگونگی روشنفکر دینی" کو فکر اقبال کی روشنی میں مرتب کی ہے اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں:

یکی از روشنفکران بنام جہان اسلام علامہ محمد اقبال لاہوری است. اقبال در زمانہ ای زندگی می کند کہ اندیشہ ی دینی با مدرنیسم و مدرنیتہ مواجہ شدہ است. چگونگی این مواجہہ از نگرانی ہای اصلی اقبال است.

ہمان گونہ کہ امام ابو حامد غزالی اعلام می کند کہ در زمانہ ی او علم دین مردہ است و غزالی احیاء کنندہ ی آنست، اقبال نیز با ژرف اندیشی باور دارد کہ در زمانہ ی او تفکر دینی مردہ است. با چنین تفکر بی جانی نمی توان با مدرنیسم و مدرنیتہ مواجہہ و تعامل کرد. با این فراست و فہم کتاب "احیاء تفکر دینی" را می نگارد تا بدین تفکر منفعل و پژمردہ روح تازہ بدمد. این دم مسیحایی را در آثار مولانا می یابد.

در ہمین اثر وزین یعنی "احیاء تفکر دینی" باور دارد کہ "جوہر دین در مناسبات اجتماعی عبارت است از آزادی، عدالت و مسؤولیت مشترک." یعنی اگر این سہ اصل محقق و نہادینہ شود، چنین جامعہ ای دین ورز است.

بہ سخن دیگر، روشنفکر دینی از تفسیق، تکفیر و سنگوارہ گی عبور می کند و با مدارا و مروّت دینی، نگاہ ہا و نگرش ہای متفاوت و متضاد را بر می تابد و راہبرد سہ اصل مہم جامعہ ساز یعنی آزادی، عدالت و مسؤولیت مشترک را با راہکار ہای مطابق بہ واقع تطبیق می کند. شرط اساسی در این راستا، احیاء تفکر دینی است. تعامل و مواجہہ با دادہ ہای قرن ۲۱ (مدرنیسم و مدرنیتہ) صرف با معرفت پویای دینی ممکن است. از چنین چشم اندازی روشنفکر دینی باید بہ پرسش ہای مہم فلسفی، کلامی و نیاز ہای پیچیدہ ی اجتماعی بپردازد. این پیام روان شاد اقبال لاہوری است."

استاد آرزو در شعر و شاعری میں بھی اپنا لوہا منوا چکے ہیں۔ ان کے افکار پر حضرت علامہ کے اثرات واضح تر ہیں ملاحظہ ہو استاد آرزو کا یہ شعر جس کا عنوان "گرسنہ"

گرسنہ تاجِک و پشتون و ایل نشناسد
درین الم کدہ از این قبیل نشناسد؛

و آفرینش انسان کمال بی‌رنگی‌ست
هزار رنگ کثیر و قلیل نشناسد
تهی ز "دودی" و "نان" ست سفره، لایعقل!
گرسنه همهمه‌ی قال و قیل نشناسد؛
و فقر و کفر بود همجوار، می‌دانی؟
گرسنه مرز شریف و رذیل نشناسد
بجز شکستن زنجیر فقر، گرسنه‌گان
قسم به عزّت انسان بدیل نشناسد
گرسنه بی‌تب و تاب‌ست، سرکش و عاصی
خروش غم‌زده صبر جمیل نشناسد
گنه نشسته چنان برکتیبهٔ انسان
قسم به ربّ جمیل، جبرئیل نشناسد
نبشته باور شطّاح شیون اشکم:
بهشت گرسنه‌گان سلسبیل نشناسد؛
و از فرشته‌ی وارستگی شنیدم دوش:
مقام عشق سخی و بخیل نشناسد
جهان به چشم خرد "زورخانه" گردیده‌ست؛
و ضرب مرشد و کبّاده، میل نشناسد
چنان فسرد چنان قلب آسیا "اقبال"!
به اصطلاح هری‌زاده، فیل نشناسد؛
و دشت تشنه و شب تیره، ماه ناپیدا؛
و میر قافله ریش و سبیل نشناسد
گرفته بغض غزل‌آفرین گلوی سخن
سرشک ناله شکست دلیل نشناسد

چنان فتادہ بہ گرداب غم فراست عشق
درای قافلہ، بانگ رحیل نشناسد
بہ خون دیدہ نگارم نگارہ‌ی جاوید:
گرسنہ تاجِک و پشتون و ایل نشناسد

اور منظومہ بعنوان ''کوچۂ شک'' میں حضرت علامہ کے دینی افکار سے متعلق فرماتے ہیں:

با ''احیاء علوم دینی'' از فقہ می کاہد، ''غزالی''!
بہ میدان مدرنیسم می‌شتابد با ''احیاء تفکر دینی''، ''اقبال''!
و مصوت می شود با ''قبض و بسط تئوریک شریعت صامت'' ش ''سروش''!
و من با ''سپہری'' ہم‌سفرم ''تا تہ کوچہ‌ی شک''

استاد آرزو اس وقت افغانستان کے وزارت خارجہ سفارتی میوزیم کے سربراہ ہیں۔ الحمدللہ تندرست و توانا ہیں اور علمی، ادبی اور تخلیقی دنیا ان کے محبت آمیز افکار کی منتظر ہے۔ اور ۲۰۱۹ء میں کابل میں اُن سے راقم الحروف (ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی) کی یادگار علمی ملاقات رہی۔

مآخذات

(۱) روزگار خاکستری، از عبدالغفور آرزو، در آستانۂ چاپ

(۲) روشنفکر و چگونگی روشنفکری، از عبدالغفور آرزو، ص ۱۰۴- ۱۰۳، انتشارات عازم، چاپ اول، کابل، ۱۳۹۸ش

(۳) چتر نگاہ، از دکتور عبدالغفور آرزو

(۴) وبسایت سفارت افغانستان در دوشنبہ

(۵) آژانس اطلاعاتی باختر (خبر گذاری رسمی افغانستان)

(۶) برنامۂ تلویزیونی TED

(۷) نقش عبدالہادی داوی در دو بزنگاہ تاریخی؛ جنبش مشروطیت و دموکراسی شاہی

(۸) سرود مسلسل

سر محقق عبد اللہ بختانی خدمتگار

عبد اللہ بختانیؔ کا نام نامی پشتو ادب میں تحقیق کے حوالے سے معتبر ہے۔ آپ ننگرہار کے علاقے سرخ رود کے قریب بختان میں ۱۳۰۵ھ ش میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام ملا آغا جان تھا۔ ابتدائی تعلیم پشتو، فارسی اور عربی ننگرہار کے مدارس سے حاصل کی۔ ۱۳۲۵ھ ش میں ننگرہار کی وزارتِ تعلیم سے منسلک ہوئے۔ ۱۳۳۱ھ ش میں پشتو ٹولنہ کابل کے رکن منتخب ہوئے اور پشتو ہفت روزہ زیری کے مدیر مقرر ہوئے۔

۱۳۳۶ھ ش میں ننگرہار مجلّہ کے مدیر بنے اور ۱۳۳۸ھ ش میں مطبوعات کی مستقل ریاست کے رکن بنے۔[۱] سوانحی تفصیلات مزید معلوم نہیں ہوسکیں البتہ افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد کچھ عرصہ کے لیے پاکستان مہاجر ہو کر پشاور میں رہے۔ اب پھر عازم وطن ہو کر ننگرہار میں رہتے ہیں۔

مارچ ۲۰۰۳ء کے اوائل میں میرے محقق دوست میاں وکیل شاہ فقیر خیل کے گھر آئے تھے ساول ڈھیر مردان تو راقم الحروف نے ان سے فون پر ان کی اقبال شناسی کے حوالے سے گفتگو کی اور اس کے بعد کئی مرتبہ کابل، جلال آباد او کندہار میں کئی کانفرنسوں او علمی سیمیناروں میں جناب بختانی صاحب سے براہ راست مستفید ہونے کے مواقع ملے بختانی صاحب تے ۲۲ فروری ۲۰۱۸ء کو کابل میں وفات پائی اور ۲۵ فروری کو اپنے آبائی قبرستان بختان میں دفن ہوئے۔[۲]

آپ پشتو و فارسی میں نظم و نثر لکھتے تھے۔[۳] پشتو، فارسی اور عربی زبانوں میں آپ کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ آثار و تالیفات کی فہرست خاصی طویل ہے۔[۴]

جناب عبد اللہ بختانیؔ وہ پہلے افغان اقبال شناس ہیں جنھوں نے پہلی مرتبہ افغانستان میں (پشتو زبان) میں اقبال کے فکر و فن پر مستقل کتاب لکھی پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې (پشتون علامہ اقبال کے نظر میں) جو پشتو ٹولنہ کابل کی مسلسل نمبر ۱۲۲ کے تحت ۱۳۳۵ھ ش میں شعبہ ترجمہ کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔ مؤلف عبد اللہ بختانی اور مصیح و مہتمم راز محمد ویش ہے۔ کتاب کے تعارفی کلمات پشتو ٹولنہ کابل کے سربراہ مشہور اقبال شناس گل باچا الفتؔ نے لکھے ہیں جس میں افغانستان میں اقبال شناسی کے حوالے سے جناب بختانیؔ کے اس ابتدائی کاوش کو سراہا گیا ہے۔

کتاب کے ٹائٹل پر دائیں جانب کونے پر حضرت علامہ کی تصویر ہے جبکہ ٹائٹل کے وسط میں درہ خیبر کی تصویر اور نیچے علامہ کا ذیل شعر درج ہے۔

خیبر از مردان حق بیگانہ نیست
در دل او صد ہزار افسانہ ایست

صفحہ الف، ب پر بختانی صاحب کا تعارفی دیباچہ ہے جبکہ درج ذیل عنوانات کے تحت حضرت علامہ کے فکر و فن کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ جا بجا حسبِ ضرورت کلامِ اقبال کے حوالے دیے گئے ہیں۔

-علامه اقبال سوک وو؟(اقبال کون تھے)صفحہ ۱،-د اقبال نظریات (نظریاتِ اقبال) ۲ تا ۳،-په مغرب باندی انتقاد (مغرب پر تنقید) ۴ تا ۷،-مشرق ته خطاب (مشرق کو خطاب) ۸ تا ۱۱،- پښتنو ته خطاب(پشتونوں کو خطاب) ۱۲ تا ۲۰،-د افغانستان سفر (سفر افغانستان) ۲۱ تا ۲۳،-خیبر۲۳،-کابل۲۴ تا ۲۵،-غزنی۲۶،-کندهار۲۷،- پښتانه مشاهیر (پشتون مشاہیر) ۲۸،-المتوکل علی الله محمد ظاهر شاه۲۸ تا ۳۳،-اعلیٰ حضرت محمد نادر شاه۳۴ تا ۳۸،-والا حضرت امیر امان الله خان۳۸ تا ۴۱،-اعلیٰ حضرت احمد شاه بابا۴۲ تا ۴۶،-سوری شیر شاي۴۷ تا ۴۸،-خوشحال خان ختك۴۹ تا ۵۸،-اقبال د افغانی شاعرانو په نظرکی (اقبال افغان شعراء کی نظر میں) ۵۸ تا ۵۹،-اقبال کیست (مرحوم ملک الشعراء قاری) ۶۰،-بر مزار اقبال در لاهور (استاد خلیلی) ۶۱،-د علامه اقبال په

تصویر (حمزہ شینواری) ۶۲،-اقبال ته خطاب (قیام الدین خادم) ۶۳ تا ۶۴،-علامه مشرق (ملک الشعراء بیتاب) ۶۵،-د اقبال ویر (مرثیہ اقبال) (گل باچا الفتؒ)۶۶،-به یاد علامه محمد اقبال (محمد ابراہیم خلیل) ۶۷،-مأخذات۶۸

اس کتاب کے مأخذات میں علامہ کے ۱۔مثنوی مسافر، ۲۔ پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق، ۳۔ پیامِ مشرق، ۴جاوید نامہ، ۵۔ سیرتِ اقبال از محمد طاہر فاروقی، ۶۔ دیوان خوشحال خان خٹک، ۷خوشحال خان خٹک سه وايي از عبدالرؤف بینوا شامل ہیں۔ (۵)

جناب بختانی صاحب کے ساتھ اس وقت مأخذات کے سلسلے میں فضل محبوب مجددی نے مدد کی تھی۔ جبکہ مولانا قیام الدین خادمؒ نے علامہ کے اردو اشعار کے ترجمہ و تفہیم میں ان کے ساتھ مدد کی تھی۔

بحیثیت مجموعی افغانستان میں پشتو زبان میں تفہیم فکرِ اقبال کے سلسلے میں یہ پہلی اور ایک بہتر کاوش ہے جو کہ ابتدائی طور پر افغانستان میں فکرِ اقبال کو روشناس کرانے کے سلسلے میں بنیادی اہمیت کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔

جناب بختانی نے خوشحال خان خٹک کے ۲۸۶ ویں یومِ وفات کی مناسبت سے کابل میں منعقدہ پشتو ٹولنہ کے زیرِ اہتمام بین الاقوامی کانفرنس (از سوموار ۵، اگست ۱۹۶۶ء تا ۲۱، اگست ۱۹۶۶) میں جمعہ ۲۸، اسد ۱۳۴۵ھ ش بمطابق ۱۹، اگست ۱۹۶۶ء میں ایک عمدہ مقالہ بعنوان ”د خوشحال او اقبال د اشعارومشترکه خواوی“(خوشحال اور اقبال کے اشعار کے چند مشترک پہلو) پیش تھا۔ (۶)

۱۳۸۰ھ ش میں جناب بختانیؒ کی ایک اور کتاب ”خوشحال خان او یو ثو نور فرهنگيالي ختیک“ شائع ہوئی۔ اس کتاب میں وہی مقالہ خوشحال خان خٹک اور اقبال کے افکار کا تقابلی جائزہ شامل کیا گیا ہے۔ (۷)

اس مقالے میں حضرت علامہ کے فکر و فن پر صاحبِ سیف و قلم عظیم پشتو شاعر خوشحال خان خٹک کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس تقابلی جائزے میں ان دونوں حضرات کے مشترک فکری نکات کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مقالے کے آغاز میں خوشحال اور اقبال کے درج ذیل ابیات دیے گئے ہیں:

خوشحال:

دا رنگینی معنی چیری دی خوشحاله
چې را درومی لکه گل به بیاض ستا

ترجمہ: یہ رنگین معنی کہاں سے ہیں خوشحال؟ جو تیری بیاض سے پھول کی مہک کی طرح اُڑ رہے ہیں۔

اقبال:

برگ گل رنگین ز مضمون من است
مصرعِ من قطرۂ خون من است

قوموں کی مجموعی تشکیل میں شاعری کے کردار و اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ خوشحال اور اقبال کے محیط، ان کے سیاسی حالات کے اشتراک اور ان کی فکری تشکیل کے حوالے سے بختانی لکھتے ہیں:

خوشحال او اقبال دواړه د مسلمانانو په جامعه کښې را پا څیدلی دی او د هغو د پا څولو او ویښولو سندرې یې ویلی دی- دغه او لسونه نوی ژوند غواړی چې هغه یا د اسرافیل په شپیلۍ او یاد خوشحال او اقبال غوندې شاعرانو په نغمو او پیغورونو لاس ته راځی- خوشحال په داسی وخت کې سر او چتوی چې قوم یې د مغل د استعمار ترخه ساعتونه تیروی او اقبال د انګریز د اقتدار او استعمار په عصر کې غږ پورته کوی-

خوشحال د خپل قوم د نجات د پاره د شرق د سیاسی ادبیاتو په تاریخ کې دلو مړی ځل دپاره د ملیت (نیشنلزم) نغمې غږوی او اقبال د شرق د آزادۍ د پاره د شرقی ملیت روح ژوندې کوی-

څه رنګه چې د اقبال او خوشحال د اولسونو ژوند او تاریخ تقریباً د مشابهو شرائط لاندې واقع شوی دی نو د دوا ړو په نغمو او آهنګو کې مشابه سُر او تال تر غوږه کیږی- اقبال تقریباً په هغه هم محیط کښې واقع دې چې هلته د خوشحال د ادبی

مکتب زور او شور تیر شوې- نو ارو مرو شعر یوه منبع د خوشحال د تفکر نیزه گڼلی شو- (۸)

ترجمہ: خوشحال اور اقبال دونوں مسلم معاشرے کے پیدا کردہ ہیں۔ دونوں نے اس معاشرے کی بیداری اور حرکت کے نغمے لکھے ہیں۔ یہ ملت حیات نو چاہتی ہے۔ جو یا تو اسرافیل کی صور سے یا خوشحال و اقبال جیسے شعرا کے نغمات کے طفیل ممکن ہے۔ خوشحال ایک ایسے دور میں سربلند کرتے ہیں جب ان کی قوم مغل استعمار کے تلخ وقتوں کو گزار رہی ہوتی ہے اور اقبال انگریزی اقتدار کے استعمارانہ عصر میں صدا بلند کرتے ہیں۔

خوشحال اپنی قوم کی نجات کے لیے پہلی بار مشرقی ادبیات کی سیاسی تاریخ میں ملت (نیشنلزم) کے نغمے بلند کرتے ہیں اور اقبال مشرق کی آزادی کے لیے مشرقی ملت کو زندہ روح عطا کرتے ہیں۔ جس طرح خوشحال اور اقبال کے ہاں ملتوں کی حیات اور تاریخ ایک جیسی تھی اسی طرح دونوں کے نغمات میں مشابہت کی آہنگ سنائی دیتی ہے۔ اقبال تقریباً اسی خطے میں پیدا ہوئے جہاں خوشحال کا ادبی مکتب زور و شور سے گزرا تھا۔ لہٰذا اقبال کے فکر کے ایک گوشے پر خوشحال کے فکر کا اثر ناگزیر ہے۔

بختانی کو اس بات کا اعتراف ہے کہ اقبال پشتو تو نہیں جانتے تھے مگر پشتونوں کی تاریخ و ادب سے پوری طرح باخبر تھے کیونکہ ان کے اردو و فارسی کلام پر پشتونولی کے جلوے موجود ہیں۔ بالِ جبریل کے حاشیے کی رو سے خوشحال خان کے بارے میں اقبال کی آگاہی کا پتا چلتا ہے کہ انھوں نے خوشحال کے تراجم پڑھے تھے۔

اس مقالے کو چودہ ضمنی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱- شاعر کے نظریات، ۲- بلند ہمتی، ۳- بلند خیال، ۴- گہری فکر، ۵- غیرت اور مجاہدہ، ۶- آزادی سے عشق، ۷- ریاکاری کی مزاحمت، ۸- عام شکایت، ۹- باز (شاہین) دونوں شعرا کی مشترک علامت، ۱۰- خوشحال کا باز، ۱۱- اقبال کا شاہین، ۱۲- افغان معاشرہ، ۱۳- اقبال کے اشعار میں خوشحال کا تذکرہ، ۱۴- اقبال کے اشعار میں خوشحال کا فکری اثر۔

ان موضوعات میں ہر موضوع پر مختصر تمہیدی نوٹ کے بعد پہلے خوشحال اور بعد میں اس موضوع سے متعلق اقبال کے ابیات دیے گئے ہیں۔ شاعر کی آئیڈیالوجی کے ذیلی عنوان کے تحت پہلے خوشحال کے درج ذیل ابیات دیے گئے ہیں:

رخنه ګرد ملك پرې مه ږده په خپل ملك كښې
په حكمت په زرو زور په لښكرونه
څو په تورو په توبريو په نيزو شى
سد چندان شى په تدبير په هنزونه[۹]

ترجمہ: ملک کا رخنہ گر دا اپنے خطے میں مت چھوڑ جو حکمت، دولت اور قوت کے لشکروں سے براجمان ہونا چاہتا ہے۔ چند تو تلواروں کلہاڑوں اور نیزوں کا سہارا لیتے ہیں جبکہ سیکڑوں حکمت اور تدبیر کا راستہ لیے ہوئے ہیں۔

بې و تيغ له آبه نورې اوبه نشته
چې جنګجوى سر ساړه كا تڼرونه
څو وانخلى له غليمه انتقام
مردنه خوب كا نه خواړه كا نه آرام
يا نيولى مخ مكې ته
يا مغلو و سره رزم
پښتانه چې نور څه فكر كا ناپوه دى
بې له تورې خلاصى نه شى په بل كار[۱۰]

تیغ کی آب کے سوا کوئی آب نہیں جو جنگ کے بعد دھڑ کو ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ جب تک مرد دشمن سے انتقام نہ لے نہ سوتے ہیں نہ کھاتے اور نہ آرام کرتے ہیں۔ (قید کے بعد یہ آرزو ہے) کہ یا تو مکے کا رُخ کروں یا مغلوں کے ساتھ نبرد آزما ہو جاؤں۔ پشتون اگر کسی اور زاویے سے سوچتے ہیں تو یہ ان کی کوتاہ اندیشی ہے۔ تلوار کے علاوہ کسی اور شے سے نجات ناممکن ہے۔"

بختانی ان ابیات کے بعد حضرت علامہ کے درج ذیل ابیات کا حوالہ دیتے ہیں:

آدمیت زار نالید از فرنگ — زندگی ہنگامہ برچید از فرنگ
پس چہ باید کرد اے اقوام شرق؟ — باز روشن می شود ایامِ شرق
در ضمیرش انقلاب آمد پدید — شب گذشت و آفتاب آمد پدید
نقش نو اندر جہان باید نہاد — از کفن دزدان چہ امید کشاد؟
اھل حق را زندگی از قوت است — قوت ہر ملت از جمعیت است (۱۱)

بلند ہمتی کے تحت خوشحال کے درج ذیل ابیات دیے گئے ہیں:

طمع بلا ده اسیر بنده کا
ښه ښه سړی وی دا یي ګنده کا
ما ډیر لیدلی چې طمع نه لری
په پادشاهانو پوري خنده کیا
د منت دارو که مرم په کار مې نه دی
که علاج لره مې راشی مسیحا هم
بخت دې که طالع ده که دا خپله فقیری ده
خدائ مې شړی توره برابره د اطلس کړه (۱۲)

ترجمہ: طمع اور لالچ بری بلا ہے جو آزاد بندے کو غلام بناتی ہے۔ اسی نے اچھی ہستیوں کو برا بنایا ہے۔ میں نے کئی ایسے دیکھے ہیں جو لالچ سے بے نیاز ہیں اور بادشاہوں پر ہنستے ہیں۔ مجھے منت کی دوا نہیں چاہیے بے شک مر جاؤں خواہ میرے علاج کے لیے مسیحا کیوں نہ آئے۔ یہ بخت ہے یا قسمت یا کہ میری فقیری کہ پروردگار نے میری سیاہ چادر کو میرے لیے اطلس بنایا ہے۔

علامہ اقبال کے درج ذیل ابیات موضوع کی مناسبت سے دیے گئے ہیں:

من فقیرم بے نیازم مشربم این است و بس
مومیاے خواستن نتوان شکستن میتوان
ناز شہاں نمی کشم، زخم کرم نمی خورم
در نگر ای ہوس فریب ہمت این گدائی را

نہ شیخ شہر نہ شاعر نہ خرقہ پوش اقبال
فقیر راہ نشین است و دل غنی دارد[۱۳]

خوشحال:

هغه زر تر کاڼي لوټې لا بتردی
چې یي ومندې په زمکه نه خرخیږي
چې او به په ځای ایسارې شي خوساشي
صفایي یي هم په دا ده چه بهیږي[۱۴]

ترجمہ: وہ سونا پتھر یا ڈھیلے سے بدتر ہے جو زمین میں دبا کے رکھ دیا جاتا ہے لیکن پھر بِکتا نہیں۔ پانی جب ساکن رہتا ہے تو بدبودار بن جاتا ہے۔ اس کی صفائی اس کی حرکت کی مرہونِ منت ہے۔

اقبال:

اگر کردی نگہ بر پارۂ سنگ — زفیض آرزوے تو گہر شد
بہ زر خود را مسنج اے بندۂ زر — کہ زر از گوشۂ چشم تو زر شد[۱۵]

خوشحال:

د درویش برخه خوشی غم د هغو وی
چې په شمار د زرو ناست وی چون و چند کا

ترجمہ: درویش کا حصہ فقط ان لوگوں کی غمخواری ہے جو دولت کے شمار میں چون وچند سے دوچار ہوتے ہیں۔

اقبال:

مرد درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ!
ہے کسی اور کی خاطر یہ نصاب زر و سیم!

خوشحال:

د سلیمان غوندې یي په زړگی کیږده
نه قارون غوندې یي ږده د زړه دننه

ترجمہ: سلیمان کی طرح مال و دولت دل کے اوپر رکھ، قارون کی مانند اس کو دل میں نہ چھپا۔

اقبال:

ضمیرِ پاک و نگاہِ بلند و مستیٔ شوق
نہ مال و دولتِ قارون، نہ فکر افلاطون!

بلند خیالی کے تحت خوشحال اور اقبال کے درج ذیل اشعار مقالے میں دیے گئے ہیں:

خوشحال:

که لوې و ته مې گوری ماه و خور زما پرچم دی
آسمانونه مې خیمې دی پرې د ستورو و زینت تم دی
لامې لوړ باغونه نور دی ککی باغ مې د ارم دی[۱۶]

ترجمہ: اگر میرے بلندی کو دیکھنا ہے تو ماہ و خور میرے پڑوس میں ہیں۔ آسمان میرا خیمہ ہے جس پر ستارے چمک رہے ہیں۔ میرے بلند تر باغ اور بھی ہیں اور باغِ تو میرا ایک چھوٹا سا گلشن ہے۔

اقبال:

بلند بال چنانم کہ بر سپہر برین
ہزار بار مرا نوریاں کمین کردند

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے

مقالے میں پہلے ذکر شدہ چودہ عنوانات کے تحت ان دونوں عظیم شعرا کے افکار میں مماثلت کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

خوشحال خان خٹک کے سوانحی نوٹ میں بھی حضرت علامہ کے پانچ اردو اشعار اور خوشحال خان سے متعلق بالِ جبریل کے پانچ فارسی اشعار اور بالِ جبریل کے حاشیے میں درج حضرت علامہ کا خوشحال کے تراجم سے متعلق یادداشت کا ترجمہ شامل ہے۔ (۱۷)

۱۹۷۲ء کو یونیسکو نے کتاب کا بین الاقوامی سال قرار دیا تھا۔ اس مناسبت سے حمل ۱۳۵۱ ھ ش میں جناب بختانیؔ کا فارسی شعری مجموعہ ابر بہار بھی شائع ہوا۔ اس شعری مجموعے پر افغانستان کے مختلف نقادوں نے تحریرات شائع کیں۔ افغانستان کے اقبال شناس ادیب و شاعر قیام الدین خادمؔ نے بھی ابر بہار پر اپنا نقد تحریر کیا اور بختانیؔ کے فکر پر حضرت علامہ کے پرتو کا جلوہ دیکھا۔

ما چی د بختانی ؔفارسی اشعار ولؤستل ډیر کرته به می د استاد علامه اقبال اشعار خاطر ی ته راتلل۔ (۱۸)

ترجمہ: میں جب کبھی بختانیؔ کے فارسی اشعار پڑھتا تو حضرت علامہ اقبال کے اشعار اور یادیں میرے ذہن میں آجاتیں۔

به موج بحر حوادث چه غوطه ها خوردم — به آرزوی نجاتی که مدعای من است
به زاهدان زمان نیست اعتماد مرا — خویش شدم عشق رهنمای من است
نی خبر گشتم از عصر جدید — نی عمل برنص قرآن کرده ایم
باهمه تن پروری و تنبلی — شان نام افغان کرده ایم (۱۹)

ترنم دل جناب بختانیؔ کا دوسرا فارسی شعری مجموعہ ہے جو حال ہی میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ اس مجموعے کی شاعری پر حضرت علامہ کے فکری اثرات نہایت نمایاں ہیں۔ حتیٰ کہ مختلف نظموں کے عنوانات ہی فکرِ اقبال کے پرتو کے جلوہ گر ہیں۔ راز دل، نوای من، چہ کردہ ایم، شاعر و بلبل، باغبان در گوشم خفت، بعد ازیں، زبانِ عشق، ای صبا، داستان زندگی، ترنم دل، صدای دل، اغتشاش و انقلاب، داغ نو، الٰہی خلق خود را خود نگہ دار۔

جناب بختانی نے حضرت علامہ کی تضمین پر ترنم دل میں ''بہ استقبال اقبال'' کے عنوان سے نظم میں حضرت علامہ کو تحسین بھی پیش کی ہے اور ان کے افکار کی مدح سرائی بھی کی ہے۔

''بہ استقبال اقبال''

معنی سربستہ ای دارم بہ دل گوہر ناسفتہ ای دارم بہ دل
گفتہ را گر بازمیگو یم رواست مطلب ناگفتہ ای گر مدعا است
شاعر افغان شناس زندہ دل* از دم اورندہ صد ھا مردہ دل
آنکہ بابا گفت پاکستان ورا مرحباھا گفتہ افغانان ورا
حضرت اقبال مرد خوش مقال ''زندہ از گفتار او سنگ و سفال''[۱]
شاعر خوش مشرب و صاحب دلی گفتہ با صاحب دلان راز دلی
ازتہ دل گفت و دردل کارکرد درد دل راوہ چہ خوش اظہار کرد
بحر الفاظ و معانی ''زندہ رود''[۲] حرف دل ازدل بگفت وخوش سرود
(آسیا یک پیکر آب و گل است
ملتِ افغان درآن پیکر دل است
از فسادِ او فسادِ آسیا
در کشاد او کشادِ آسیا
تادل آزاد است آزاد است تن
ورنہ کاہے در رہِ باد است تن)
بشنو از من نغمۂ اقبال را یک کمی بگذار قیل و قال را

---

* علامہ اقبال شاعر مشہور پشتون خوشحال خان خٹک راشاعر افغان شناس خواندہ است۔

(۱) علامہ اقبال در وصف سید جمال الدین افغانی سرود۔
سید السادات مولانا جمال زندہ از گفتار اوسنگ وسفال

(۲) علامہ اقبال در جاوید نامہ در ضمن سفر شاعرانہ بہ افلاک خود رابنام (زندہ رود) نامیدہ است۔

یک دمی خاموش و رازدل شنو
راز آں صاحب دل از بیدل شنو

زندگیٔ تن زکار دل بود
رنج تن رنج و غبار دل بود

سکتۂ دل ختم دوران حیات
درحقیقت قطع شریان حیات

دل اگر زخمی بود تن بی سبب
می شود دررنج و در دو تاب و تب

اندگی دل رابہ دل نزدیک کن
دقتی درنکتۂ باریک کن

یاد داری آنکہ درایام یار
ما راستعمار و استثمار مار

حملہ ھا بر پیکر مشرق نمود
جامہ را جامہ دان از ماربود

نان ربود و جامۂ مارا برید
جامہ مارا بگذار حلق ما برید

گوشت مارا خورد وضربت روپنہاں
تا رسیدہ کار دھا براستخوان

کاردھا در پیکر ماکار کرد
قلب مارا استعمار کرد

شب چو آخر شد سرما روزشد
بخت ما درتیرگی پیروزشد

آسیا از خواب خوش بیدار شد
ہم رہا ازظلم استعمار شد

رفت استعمارو قلب ما تپید
نیم زندہ نیم مردہ می جہید

داغ زخم تیغ استعمار ماند
زہر قاتل از ہاں مار ماند

قلب مشرق پارہ پارہ شد چنین
پیکر آب و گلشن زار و حزین

تابہ کی باز خم قلب آسیا
ملت اقبال ہیچ بی اعتنا

ای صبا از ما بگو اقبال را
ترجمان غیرت خوشحال را

روح تو خوشنود و قبرت مرغزار
بر مزارت لالہ ھا گلھا نثار

شاد باش آرام وفارغ باش
بی غم و بی غصہ خود خوشحال باش

خود تو گفتی رقوم افغان غیور
جان او برمحنت پیہم صبور

خاکش از مردان حق بیگانہ نیست
در ضمیر صد ہزار افسانہ ایست
سرزمین کبک اپو شاہین مزاج
آہوی او گیرد از شیران خراج

در فضا یش جرہ بازان تیز چنگ
لرزہ بر تن از نہیب شان پلنگ

دربلوچستان بلوچان شجاع — پشتونستان در نبرد و در دفاع
آسیا با قلب خود درارتباط — می گزار مرہمش با احتیاط
می کند پیوند قلب ریش را — می زداید زھر مار ونیش را
آسیا دانستہ سرکاررا — درک کردہ رمز این اشعار را

آسیا یک پیکر آب و گل است
ملتِ افغان درآن پیکر دل است
از فسادِ او فسادِ آسیا
در کشاد او کشادِ آسیا
تادل آزاد است آزاداست تن
ورنہ کاہے در رہِ باد است تن(۲۰)

بختانی صاحب نے علامہ پر ایک اور مقالہ بعنوان ”قلب آسیا گذر گاہ و نظر گاہ علامہ اقبال“ بھی لکھا۔ یہ مقالہ ویسے تو ھفت روزہ ”وفا“ (۱۰ جدی ۱۳۷۶ ھ ش) میں شائع ہوا لیکن آپ نے اس کو کابل کے خیر خانہ میں ۲۰ سرطان ۱۳۷۴ھ ش بمطابق ۱۱جولائی ۱۹۹۵ء تحریر کیا تھا۔ مقالے کا آغاز علامہ کے ابیات، تراکیب، مفاہیم اور اصطلاحات کی ترتیب سے مزین ہے۔

زندگی سالھا در کعبہ وبتخانہ نالید — تاازبزم عشق دانای رازبرون آمد
”رموز بیخودی“ را بی پردہ گفت — ”اسرار خودی“ رافاش ساخت

مغز قرآن برداشت ”زبور عجم“ نامید با”بانگِ درا“ ”پیامِ مشرق“ را باز گفت ”پس چہ باید کرد ای اقوام شرق “(۲۱)

ترجمہ: زندگی مدتوں تک کعبہ وبتخانے میں روتی رہی کہ بزمِ عشق سے ایک دانائے راز باہر آیا۔ انھوں نے خودی کے اسرار کو فاش کیا۔ قرآن کی روح سے آگاہی کو زبورِ عجم سے

موسوم کیا بانگِ درا سے ''اہلِ مشرق'' کو ''پیام'' دیا اور کہا کہ اے ''اقوامِ مشرق'' اب کیا کرنا چاہیے۔

مقالے میں اقبال کی اس دنیا میں آمد کو عالمِ انسانی کے لیے باعثِ سعادت قرار دیا:

ستارہ اقبال در شب تیرہ و تار در جہان مشرق درخشید۔ بر مغرب نیز پرتو افگند گویا ستارۂ بخت انسان و نور انسانیت بود نوری بہ سان عاطفۂ انسانی۔ باری این کوکب درخشان از افق مشرق مھین ما طالع گردید دانای راز راز دار ماشد۔ آں کہ مشرق و غرب رانیک میدانیست واز سرشت سرگذشت ملل آگاہ بود، شیشۂ ناموس عالم در بغل داشت ہر کہ پاکج میکوشید ھر منکری را بادستانش تغیر دہد۔ باایمان راسخ قلم بہ دست میگرفت دم را با قلم یار میساخت۔ برانچہ منکر است انگشت میگذاشت حرفِ حق را بھراس میگفت چیزی رادر دل نگہ نمیداشت دمیکوشید کہ تادرجہ...... الایمان تنزل نکند او بود کہ باخطرناکترین منکرات زمین و زمانش ازمید از قبیل استعمار استثمار نادانی بزدلی گمراھی و بیراھی۔ (۲۲)

ترجمہ: اقبال کا ستارہ فلکِ مشرق کی تاریکیوں میں اس طرح چمکا کہ اس کا پرتو مغرب میں بھی جلوہ گزیں رہا۔ گویا یہ ستارہ انسانی سعادت اور انسانیت کے لیے نور کی وجہ بنا۔ انسانی وجدان پر اس روشن ستارے کے گہرے اثرات مرتب ہوئے اور یہ سعادت ہماری مملکت کے حصے میں بھی آئی۔ یہ دانائے راز ہمارا راز دار بنا۔ مشرق و مغرب کا یہ بہی خواہ ملتوں کے آغاز و انجام سے باخبر عالمی عزت کا شیشہ بغل میں لیے آیا۔ جس نے بھی کج روی کا مظاہرہ کیا تو اقبال نے خونِ دل کا پیالہ پیا۔ اقبال نے ہر منکر کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی۔ روح کو قلم سے آشنا کیا۔ ہر منکر پر تنقید کی اور حرفِ حق کو بلاخوف بیان فرمایا۔ کسی چیز کو دل میں پنہاں نہیں رکھا اور حتی الامکان کوشش کی کہ ایمان کو زوال نصیب نہ ہو کیونکہ وہ زمین اور زمان کے خطرناک ترین دور میں جی رہا تھا۔ اور وہ استعمار، استثمار کی نادانی، بزدلی، گمراہی اور بے راہی کا دور تھا۔

جناب بختانی اس دور میں اقبال کی آمد کو علم و ادب اور سیاست حال، ماضی اور مستقبل کے لیے خوش بختی کا باعث گردانتے ہیں۔ اقبال نے پیرِ مغرب جرمن نکتہ داں گوئٹے کے

جواب میں پیامِ مشرق لکھی۔ بختانی نے افغانستان کے بادشاہ اعلیٰ حضرت غازی امان اللہ خان کے نام اس کتاب کے انتساب کو قابلِ تحسین اقدام قرار دیا۔

بلی علامہ محمد اقبال نور خورشید آسماں علم ادب و سیاست، کہ ماضی، حال وآئیندہ امم را بابیان تند، شیرین وروشن درمیان میگذاشت سخنوری کہ بہ جواب پیرِ مغرب نکتہ داں المانی گویتہ پیامِ مشرق را سرودہ و این ھدیہ ارجناکش راہ پادشاہ افغانستان اعلیٰ حضرت امان اللہ خان پیشکش نمودودر مقدمہ تصویر عین امت اسلامی راچنین کشید:

دیدۂ اے خسرو کیوان جناب — آفتاب ما توارت بالحجاب
ابطحی در دشت خویش از راہ رفت — از دم او سوز الا اللہ رفت
مصریان افتادہ در گرداب نیل — سست رگ تورانیاں ژندہ پیل
ال عثمان در شکنج روزگار — مشرق و مغرب زخونش لالہ زار
عشق را آئین سلمانی نماند — خاک ایران ماند و ایرانی نماند
سوز و ساز زندگی رفت از گلش — آن کہن آتش فسرد اندر دلش
مسلم ہندی شکم را بندۂ — خود فروشی دل ز دیں برکندۂ (۲۳)

جناب بختانی حضرت علامہ کے مادی اقدار سے بالاتر معنوی شخصیت سے کافی متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے نظریات کو سراہتے ہوئے ان کے نژادی نسلی قیودات کے فلسفے سے بالاتری کو تحسین پیش کرتے ہیں:

شاعر مسلمان ھندی وترکی حجازی، ومصری، ایرانی وتورانی راباصراحت انتقاد کرد ناتوانیھای مادی معنوی و روانی شان را تشخیص داد قانونمندی ناتوانیھا دریافت آن را عمومیت بخشید و انتقادش راخلاصہ کرد۔

درمسلمان شأن محبوبی نماند — خالد و فاروق و ایوبی نماند

مگر درھمین فضاخطاب شاہ ملت مارا ستود

اے ترا فطرت ضمیرِ پاک داد — از غم دین سینۂ صد چاک داد
تازہ کن آئین صدیق و عمر — چون صبا بہ لالۂ صحرا گذر (۲۴)

بختانی اس کی تائید کرتے ہیں کہ حضرت علامہ نے پشتونوں کی پسماندگی کی علت نادانانی، ناداری اور جہالت قرار دے کر درست تشخیص کی ہے اور شاہ افغانستان کو مشورہ دیا ہے کہ اس غیور ملت کے کوہساروں کے مکینوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کر دیں۔

گویا حکیم مشرق مشخص ساخت کہ علت المللِ پسمانیھای ملت افغان ناداری ونادانی است و بہ شاہ کشور مشورہ داد کہ برای تھذیب این ملت غیور علم رااز سینۂ احرار وثروت رااز سینہ کہسار مینھش برگیرد۔(۲۵)

بختانی صاحب اگرچہ تحقیق کے اسرار و رموز سے آگاہ ہیں اور سر محقق کے علمی رتبے تک پہنچ چکے ہیں لیکن اس کے باوجود چونکہ وہ بنیادی طور پر ایک شاعر ہیں اس لیے وہ علامہ کے سفر افغانستان (۱۹۳۳ء) کو ایک شاعرانہ احساس کے ساتھ پرکھتے ہیں۔ اس مقالے میں سفر افغانستان کا جائزہ اگرچہ ایک اپنے شاعرانہ انداز سے پیش کیا ہے تو دوسری طرف جابجا علامہ کی شعری کیفیات کو بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہے:

بلی شاید در آرزوی سیر و گلگشت کہسار ما نیز بود تا در اکتوبر ۱۹۳۳ء ہفتاد و دو سال قبل از امروز چون صبا بر لالۂ صحرا خرامید در درہ خیبر باور ھایش را بہ تداعی گرفت و باز دریافت۔

خیبر از مردان حق بیگانہ نیست	در ضمیر ش صد ھزار افسانہ ایست
جادہ کم دیدم ازو پیچیدہ تر	یاوہ گردد در خم و پیچش نظر(۲۶)

بختانی صاحب نے علامہ کے اس براہِ راست سفر کے علاوہ اس دلچسپ روحانی و تخیلی سفر کا ذکر بھی کیا ہے جس میں علامہ کا روحانی مرشد بلخی آگے آگے ہیں اور مرید ہندی سراپا حیرت سراپا عقیدت ان کے پیچھے پیچھے اس حیرت کدے کے اسرار و رموز کا مشاہدہ کرتے ہیں:

شاعر سفر دگری نیز دارد وان عروج روحانی و یا سفر تخلیلی وسیت بہ اوج جھھان، کیھان و فراتر از اسمانھا اقبال در اثر جاودان خویش مثنوی جاوید نامہ داستان سفر شاعرانہ اش را با بداعت تام بہ سرر سانیدہ است او در عالم خیال بہ سیر سیاحت و سفر دور و درازی پرداختہ و در جریان سیر بہ عالم بالا توانستہ است با ارواح بزرگان دین و دولت اسلامی گفت و شنود ھائی داشتہ باشد۔

تعجب نباید کرد شاعر در این سفر خیالی خویشتن راہ زندہ او دنامیدہ و رومی یعنی مولانا جلال الدین بلخی را مرشد رھبر و رھنمائی سفر ش معرفی کردہ است۔(۲۷)

اس سفر کے دوران پھر بختانی کا مقصد اپنے موضوع سے متعلق افغان شخصیات سے علامہ کی ملاقاتوں کا تذکرہ ہے پہلے فلک عطارد پر سید جمال الدین افغانی کا حال ہے جو سعید حلیم پاشا کا امام بنا ہوا ہے۔ قصر سلاطین میں ابدالی سے ملاقات کی دلچسپ روداد کو بیان کیا گیا ہے۔

مقالے کے آخر میں افغانستان کے حالات کے پیشِ نظر علامہ کی اس پیش گوئی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں افغانستان کی آبادی ایشیا کی آبادی اور افغانستان کی بربادی ایشیا کی بربادی سے تعبیر کی گئی ہے۔ بختانی نے جہانِ عالم بالخصوص اقوامِ ایشیا سے اس عظیم فلسفی کی اس پیش گوئی سے عبرت حاصل کرنے کی اپیل کی ہے۔(۲۸)

مآخذات

(۱) اوسنی لیکوال، جلد اول، ص۱۱٦

(۲) ویاړلی، ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی، جلد ۲، ص۸۷۷ تا۹۱۷

(۳) رشد زبان و ادب دری در گسترہ فرہنگی پشتو زبانان، ص۱۵۸

(۴) پشتو کتاب شود، ص۵۱-۵۲

(۵) پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې، ص۱۲۸

(٦) ننگیالی پشتون، ص۴٦- ٦٦

(۷) خوشحال خان او یوسو نور فرهنگ یالی پشتانه، ص۲۷ - ٦۰

(۸) ننگیالی پشتون، ص۴٦-۴۷

(۹) ایضاً، ص۴۸

(۱۰) ایضاً، ص۴۸

(۱۱) ایضاً، ص۴۸-۴۹

(۱۲) ایضاً، ص۴۹

(۱۳) ایضاً، ص۴۹

(۱۴) ایضاً، ص۵۰

(۱۵) ایضاً، ص۵۰

(۱٦) ایضاً، ص۵۱

(۱۷) خوشحال خان او یو څو نور فرهنگ يالي پښتانه، ص۲۶
(۱۸) ترنم دل، ص۱۷
(۱۹) ایضاً، ص۱۷
(۲۰) ایضاً، ص۶۹ تا ۷۲
(۲۱) ہفت روزہ وفا، ۱۰ جدی ۱۳۷۶ ھ ش، ص ۱۳
(۲۲) ایضاً، ص۱۳
(۲۳) ایضاً، ص۱۳
(۲۴) ایضاً، ص۱۳
(۲۵) ہفت روزہ وفا، ۱۰ جدی ۱۳۷۶ ھ ش، ص ۱۳
(۲۶) ایضاً، ص۱۳
(۲۷) ایضاً، ص۸
(۲۸) افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت، ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۲۲ء

عبداللہ قاری (ملک الشعرا)

قاری عبداللہ امیر عبدالرحمٰن کے دور سے لے کر محمد ظاہر شاہ کے دورِ حکومت تک افغانستان کے شاہی دربار کی مدح سرائی میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ (۱)

آپ کابل شہر میں حافظ قطب الدین کے گھر ۱۲۸۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ اس وقت کے مشہور و معروف علما سے قواعد، صرف و نحو، علوم متداولہ فقہ، حدیث، تفسیر، منطق، حکمت، کلام وغیرہ پڑھے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور خطِ نستعلیق میں خوش نویسی سیکھی۔ امیر امان اللہ خان کے والد امیر حبیب اللہ خان شہید کے استاد اور مربی مقرر ہوئے۔ ان کی بادشاہی کے دوران ان کے علمی و مطبوعاتی مشیر بھی رہے۔ جبکہ عرصہ چالیس سال تک ادبیات کے استاد کی حیثیت سے مختلف تعلیمی اداروں مکتب حبیبیہ، مکتب حربیہ اور مکتب سراجیہ سے منسلک رہے۔ (۲)

آپ افغانستان کے جہانِ شعر و ادب میں جداگانہ حیثیت کے مالک تصور کیے جاتے تھے۔ عربی و فارسی ادبیات پر دسترس کے ساتھ ساتھ مختلف درسی کتب تصنیف و تالیف کیں اور ترجمہ سے وابستہ رہے جن کی تعداد اٹھارہ تک پہنچتی ہے اور زیادہ تر زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ (۳)

۱۳۰۲ھ ش میں قاری عبداللہ کا دیوان شائع ہوا۔

۱۳ حمل ۱۳۱۴ھ ش میں افغانستان کی حکومت کی جانب سے قاری عبداللہ کو ملک الشعراء کا خطاب عطا ہوا۔ (۴)

کلیاتِ ملک الشعرا قاری عبداللہ ۱۳۳۴ھ ش میں کابل سے ۵۱۳ صفحات پر مشتمل شائع ہوئی۔ میر محمد عثمان نالاں آپ کی مختلف آثار و تالیفات کی تعداد اکتالیس بتاتے ہیں جن میں مشہور ترین درج ذیل ہیں:

ترجمہ فصوص الحکم، شیخ اکبر، ترجمہ سرالتہ الصید شیخ محمود حسن، ترجمہ سخندان فارسی، کتاب بلاغت، کلید الصرف، سراج النحو، ترجمہ منطق امام غزالیؒ، تذکرۃ الشعرا، ترجمہ مغازی واحدیؒ، کتاب املا، اصولِ تنقیط، دیوان اشعار قدیم طبع ہندو دیوان اشعار جدید بصورت کلیات وغیرہ۔ (۵)

قاری عبداللہ کو افغان حکومت کی جانب سے کئی مطبوعاتی اعزازات ملے جبکہ ۱۳۱۷ھ ش کو انھیں معارف کا نشان درجہ دوم عطا ہوا۔ آپ کی علمی شہرت افغانستان کے باہر بھی پہنچی تھی چنانچہ ایران کے مشہور نقاد اور ادبیات کے استاد ڈاکٹر شفیعی کدکنی نے آپ کے شعر، فن اور علمیت پر ایک مقالہ تہران کے مجلّہ ہنر میں شائع کرایا جس میں انھوں نے اعتراف کیا کہ:

غزلہا و اشعار گہربار قاری ملک الشعراء افغانستان مانند غزلہا واشعار صائب و کلیم نفز و شیرین و قصائد ش چوں قصائد ظہیر انوری پر طنطنہ، فاخرہ رنگین و استادانہ میباشد۔ قضاوت و محاکمہ کردر مورد اشعار متقدہ شیخ علی حزین صہبائی خان آرزوو مناظرہ و معارضہ مشار الھیم غودہ الحق، قوی علمی برھانی دیالکتیک استادانہ و دلنشین و در تاریخ ادب بی نظیر است وھکذا کتاب معروف فصوص الحکم اثر عالی عرفانی و تصوفی عالم ربانی و صوفی حقانی شیخ محی الدین عربی راترجمہ نمودہ کہ کاربزرگی انجام دادہ است۔ (۶)

قاری عبداللہ کی شعری استادانہ حیثیت سب پر عیاں تھی۔ کابل کے تقریباً تمام شعرا پہلے آپ سے اصلاح لیتے تھے پھر رسائل و مجلّات میں کوئی شعر شائع کراتے۔ فردوسی طوسی کے ہزار سالہ جشن منعقدہ تہران میں فردوسی سے متعلق آپ کا لکھا ہوا قصیدہ سنایا گیا تھا۔ شعر و ادب میں آپ کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ آپ کے شاگرد فلک علم و ادب کے درخشندہ ستارے ثابت ہوئے جن میں درج ذیل زیادہ مشہور ہیں:

پوہاند بیتابؔ، استاد خلیل اللہ خلیلیؔ، استاد عبدالہادی داویؔ، صفاؔ، شائقؔ، جمالؔ، نویدؔ، استاد پژواکؔ، حکیم ضیائیؔ، آئینہؔ، لطیفیؔ، احمد اللہ کریمیؔ، قدیر ترکیؔ، صباؔ، جویاؔ، میوندوالؔ، عثمان صدقیؔ، رشتیاؔ، فرہنگؔ، گویاؔ، ابراہیم خلیلؔ، ضیاؔ، قاریزادہؔ اور میر محمد عثمان نالاںؔ۔ (۷)

افغانستان میں ملک الشعرا قاری عبداللہ کی اقبال شناسی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ آپ کو نہ صرف افغانستان کے فرمانرواؤں امیر عبدالرحمٰن خان، امیر حبیب اللہ خان، امیر امان اللہ

خان، اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی اور اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ سے قربت کا شرف حاصل تھا بلکہ اقبال جیسے مردِ خود آگاہ اور صاحبِ فقر و اخلاص کی صحبت سے بھی مستفید ہونے کا موقع ملا۔

چنانچہ ۱۹۳۳ء میں فضلائے ہندوستان (حضرت علامہ اقبال، سید سلیمان ندوی اور سر راس مسعود) کے دورۂ افغانستان کے دوران آپ نے ۲۸/ اکتوبر کی شام ساڑھے سات بجے شب انجمن ادبی کابل کی ضیافت میں ان مہمانوں کا منظوم استقبال کیا تھا۔ استقبالیہ فارسی منظومہ یوں ہے:

عزیزان زہندوستان آمدند — در افغانستان مہماں آمدند
در آناں یکے دکتر اقبال ہند — سخن پرور و واقف از حال ہند
ادیب سخن گستر و نکتہ سنج — کہ ہر نکتہ اش بہتر آمد زگنج
چمن گروۂ طرز رنگین اوست — شکرپارۂ حرفِ شیرین اوست
کلامش چو اوج بلندی گرفت — سخن رتبۂ ارجمندی گرفت
زند طعنہ آہنگ او برق را — کہ خواہاں بو نہضت شرق را
نویں شیوۂ رابہ سبک کہن — در آمیخت از قدرتِ علم و فن
چون اندر سخن جاو دنو گزید — پیامی زمشرق بمغرب رسید
سخن را آمیخت چون باعلوم — ازو زندہ شد طرزِ مولائے روم
چو فکرش پئے فیلسوفی گرفت — طرز سخن طرز صوفی گرفت
نوایش ہم آہنگ بانفخ صور — کہ آفسر د گان رادر آرد شور
چو بلبل بآہنگ کہسارما — زہند آمد این طوطی خوش نوا
دگر آنکہ او نامور سید است — گزین بختۂ آلِ سر سید است
ہنر مند سر راس مسعود نام — کز و مکتبِ ہند دارد نظام
روان ہنرمندی و جانِ علم — علی گڑھ بروزِ دبستان علم
بعالم گر آن مکتب آواز یافت — زجہد دے این قدر دانداز ہ یافت
رئیس دبستان ور آن مرز و بوم — شناسائے قابل بطرزِ علوم
سوم سیدھا کہ از ندوہ است — زدانش بہ ہندوستان قدوہ است
زفیض ودمش تازہ شد جانِ علم — در اقلیم و اکش سلیمان علم

چہ کلکش بمعنی طراز ندہ شد　　خیالاتِ شبلی ازو زندہ شد
چہ درشاہ سراہ حقائق شتافت　　معارف ازو رونق تازہ یافت
مضامین او جملہ محکم بود　　نگارش بکلکش مسلم بود
دگر مرد دانائے ہادی حسن　　پروفیسرے واقف ازعلم وفن
بہ انگلیسی و فرس عالم بود　　زبانِ دری رامعلم بود
ادیب سخن پرورِ فارسی　　سخنہائے او گوہر فارسی
بلظ دری چوں تکلم کند　　زشوقش شکر وست ویاگم کند
سخنہاش دلکش بیانش ملیح　　چوں ایرانیان لہجہ او فصیح
زبہر سیاحت درین بوم وبر　　کشید نداز ہند رختِ سفر
زرہ ایں عزیزاں رسیدندخوش　　بکابل کنوی آرمیاند خوش
و رودِ مشاہیر ہندی نژاد　　بودرابط افزائے حُب وداد
ازین آمدن دل چوں گل گل شگفت　　بصد خرمی خیر مقدم بگفت
غنیمت بود دیدن دوستاں　　چو در فصل گل جلوۂ بوستان
مسلمان زہر جابہم دوست بہ　　چو بادام توام بیک پوست بہ
ہمسایہ ہمسایہ گردارسد　　برش بہرۂ دین و دنیا رسد
کہ از دیدو دادبہ زاید و داد　　زہم نگسلدر شتۂ اتحاد
دل صاف احباب خرم بود　　چو دربیں ہم رشتہ محکم بود

خوش است ادے عزیزان زہم پرس وجوئے
کہ آید مگر آب رفتہ بہ جوئے (۸)

باغ بابر کابل ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۳ شام ساڑھے سات بجے شب انجمن ادبی کابل کی وہ ضیافت
جس میں ملک الشعرا قاری عبد اللہ نے ان مہمانوں کا منظوم استقبال کیا

یہ منظومہ سب سے پہلے مجلّہ کابل میں شائع ہوا۔ (۹) سید سلیمان ندویؔ نے اسی مجلے سے استفادہ کر کے اسے سیرِ افغانستان میں شائع کیا جبکہ ملک الشعرا قاری عبد اللہ کے ''استقبالِ نظم ورود مہمانہای ہند و سرورده شد'' کلیات میں موجود ہے جو کہ مکمل نہیں ہے۔ آخری بیت ذیل ہے:

ازین آمدن دل چوں گل گل شگفت
بصد خرمی خیر مقدم بگفت (۱۰)

اس کے بعد کے چھ ابیات شامل نہیں ہیں اور کلیات کا حصہ نمبر چار ''مثنویات'' کا آغاز ہو جاتا ہے۔ حضرت علامہ کی وفات پر قاری عبد اللہ نے فارسی میں ایک شاندار مرثیہ لکھا جو دہلی ریڈیو سے نشر ہوا اور ایران و ہندوستان کے علمی و ادبی اداروں میں بہت سراہا گیا۔ (۱۱)

یہ مرثیہ اپریل ۱۹۳۸ء کے اواخر میں حضرت علامہ کی تعزیتی مجلس (انجمن ادبی کابل کی جانب سے منعقدہ) میں سنایا گیا تھا (۱۲) اور بعد میں مجلّہ کابل کے خصوصی اقبال نمبر میں بھی شائع ہوا۔

قصیدہ در مرثیہ فیلسوف وطن خواہ پروفیسر اقبال غفر اللہ

از طبع ملک الشعرا قاری عبد اللہ

اقبال رخت بست و زہندوستان برفت کان فیلسوف عالم شرق از میاں برفت
باید بنا رسائی بخت دژم گریست کاقبال راگذاشت کہ زود از جہان برفت
افتادہ گوہری زکف دہر روی خاک بیچارہ دہر بین کہ براو این زیان برفت
از دوست مفت دامن اقبال دادہ ی شرمی کن ای زمانہ زدست جسان برفت
پیر و جوان چو طفل یتیمند اشکریز کان زندہ دل ادیب بطبع جوان برفت
اقبال رفت ترسم از ادبار روزگار می آید این بجای وی آری چو آن برفت
دیگر کجا رسد بحریفان "پیام مشرق" کان نکتہ سنج شاعر شیرین زبان برفت
وا اندہ تلخکام زحرمان خویش گوش کان منطق موثر و سحر بیان برفت
آہ خیر خواہ عالم اسلام ناگہان نادیدہ ذوق رابطۂ این و آن برفت
دلگیر رموز حکمت دین از کہ بشنویم آن کاشف حقائق راز نہاں برفت
درس خوشش زمکتب مولوی روم بود در عقل و نقل زآن پی آن داستان برفت
فکرش بان دوبال کہ از عقل و نقل داشت چندان گرفت اوج کہ بر آسماں برفت
از بسکہ داشت حب وطن در ضمیر پاک چندان شتاب کرد کزین آشیاں برفت
دل راتوان شرح نباشد ازو مپرس کزر فتنش جہا سر ناتوان برفت
رنگ ثبات درچمن دہر چون ندید چون بوی گل جریدہ ازیں گلستان برفت
روحش بسان فکر بلندش گرفت اوج زین خاکدان پست بباغ جنان برفت
دیدہ است بایزید و جنید و فضیل را روحش چو در عروج بوادی جان برفت
انجامقام سید افغان نمود کشف باروميش حرف امام اذان برفت
یکبارہ از نصائح پرسودلب بسبت شاید زمابچرخ برین گرفغان برفت
درس خودی و خودنگری داد چون بقوم آنگاہ خود بمرحلۂ بیخودان برفت
آثار خود برہرچو جاوید ماندہ است ہر گز نمرد گرچہ ازین خاکدان برفت
آسود از گداز غم دہر خوش بخاک گوی چو اشک غمزدہ ازدید گان برفت
جسمش بزیر خاک اگر رفت باک نیست روحش چون زین خرابہ بہ بدار جنان برفت
یادش مقم خلوت دلہا و نام او از بسکہ زندہ است کران تاکران برفت

تاریخ فوت خامہ الف برکشیدہ گفت

اقبال ہند ماہ صفر از جہان برفت

عدۂ حروف مصرع اخیر بحساب جمل ۱۳۵۷ھ ہزار و سہ صد و پنجاہ ہشت میشود و چون الف را کہ یکی است ازان کشید، شود ہزار سہ صد و پنجاہ و ہفت می ماند کہ تاریخ فوت اوست۔ (۱۳)

مجلّہ کابل میں اس مرثیے کی اشاعت کے تقریباً سترہ سال بعد ۱۳۳۴ھ ش میں قاری عبداللہ کی کلیات میں شائع شدہ مرثیے میں درج ذیل تین ابیات زائد پائے گئے:

رنگ ثبات درچمن دہر چون ندید — چون بوی گل جریدہ ازین گلستان برفت
روحش بسان فکر بلند اش کرفت اوج — زین خاکدان پست بباغ جنان برفت
یکبارہ از نصائح پر سود لب ببست — شاید زما بچرخ بریں گر فغان برفت (۱۴)

حضرت علامہ کی تیسری برسی کی مناسبت سے قاری عبداللہ نے اپنی وفات سے صرف ایک سال ایک ہفتہ قبل دوم ثور ۱۳۲۱ھ ش ۱۹۴۱ کو علامہ کو فارسی زبان میں ایک اور خراج تحسین پیش کیاہے جو ذیل ہے:

بود امروز روز ازیاد بود دکتر اقبال — کہ عمری بست بہر خدمت ملی کمر اقبال
صریر خامہ اش چون صور ملت زندہ گردانید — کہ استاد قیامتکار بود و نامور اقبال
چہ خدمتہای شایان کرد بہر قوم روز و شب — کہ بود از بہر بنای وطن ہمچون پدر اقبال
بزد در آب و آتش خویش را از ذوق آذادی — گوارا کرد بر خود مشکلات بحر و بر اقبال
ز قومش گرچہ ہر فردی در استقلال کوشیدہ — ولہ نسبت بہ ہر کس حصہ دارد بیشتر اقبال
یکی ملاح ماہر بود در بحر سخن رانی — کشیدہ کشتی قوم خود از موج خطر اقبال
وجود او چو خورشید درخشان بود میدانم — زخاور کرد روشن بی سخن تا باختر اقبال
ز دفع حال از احوال استقبال میدانست — بلی بی اشتباہ بودہ است از اہل نظر اقبال
نماند از مسلک آذادی خواہی پای خود بیرون — باوج ارتقا گردید مبالازین عمر اقبال
بوصف ملک و ما نظمی مسافر نامہ بنوشتہ — بہنگامیکہ این سو داشتہ سیر و سفر اقبال
نہال الفت افغان بقلمش پرورش داد — سپس بگرفتہ اخلاص وارادت زان ثمر اقبال
چنین یک شخص ملی را ہمہ دوست میدارد — بلی محبوب خاطرہاست در ہر بوم دہر اقبال (۱۵)

افغانستان کا یہ مشہورِ زمانہ اقبال شناس ملک الشعراء قاری عبد اللہ ۹ ثور ۱۳۲۲ھ ش برو زِ جمعہ پچھتّر سال کی عمر میں شہرِ کابل میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ [۱۶]

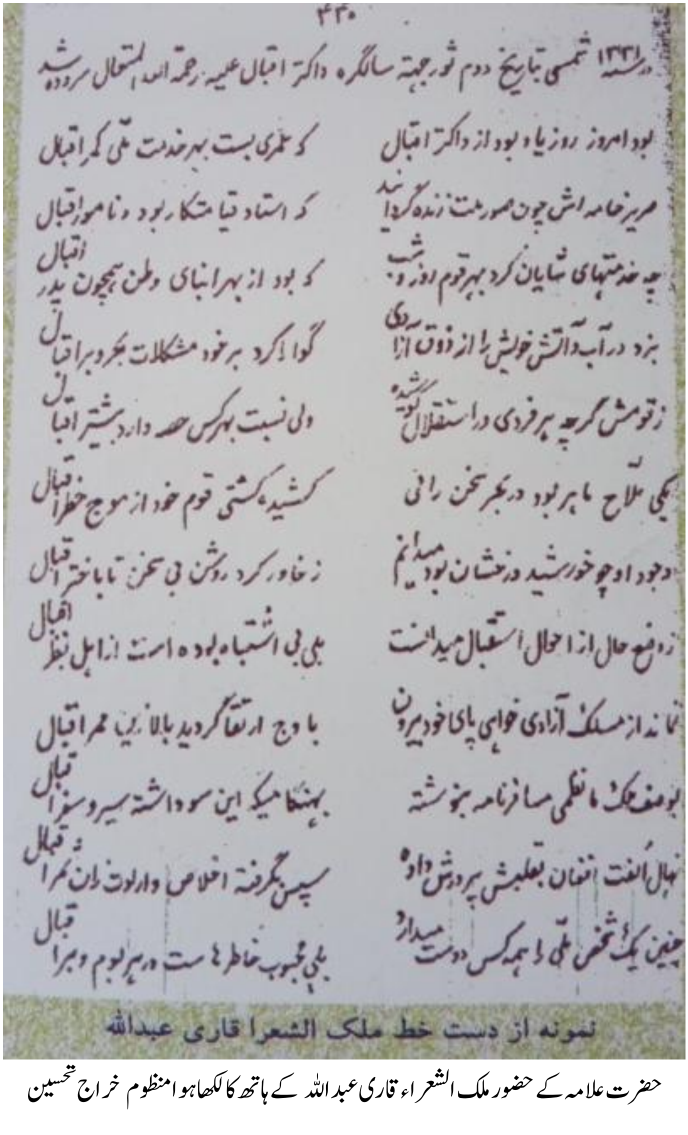
۴۳۰

در سنه ۱۳۲۱ شمسی بتاریخ دوم ثور جهت سالگره داکتر اقبال علیه رحمة الله المتعال سروده شد

بود امروز روز یادبود از داکتر اقبال — که عمری بست بهر خدمت ملی کمر اقبال
صریر خامه اش چون صور رحمت زنده گرداند — که استاد قیامتکار بود و نامور اقبال
چه خدمتهای شایان کرد بهر قوم روز و شب — که بود از بهر ابنای وطن همچون پدر اقبال
بزد در آب و آتش خویش را از ذوق آزادی — گوارا کرد بر خود مشکلات بحر و بر اقبال
ز قومش گرچه هر فردی در استقلال کوشیده — ولی نسبت بهر کس حصه دارد بیشتر اقبال
یکی ملاح ماهر بود در بحر سخن رانی — کشیده کشتی قوم خود از موج خطر اقبال
وجود او چو خورشید درخشان بود میدانم — ز خاور کرد روشن بی سخن تا باختر اقبال
ز وضع حال از احوال استقبال میدانست — بلی بی اشتباه بوده است از اهل نظر اقبال
نماند از مسلک آزادی خواهی پای خود بیرون — به اوج ارتقا گردید بالا نیز هم اقبال
بوصف حکمت ملی بسا از نامه بنوشته — بهنگامیکه این سودا داشته سیر و سفر اقبال
نهال الفت افغان بعلیش پرورش داده — سپس بگرفته اخلاص و ارادت زان ثمر اقبال
چنین یک شخص ملی را همه کس دوست میدارد — بلی محبوب خاطرها ست در هر بوم و بر اقبال

نمونه از دست خط ملک الشعرا قاری عبدالله

حضرت علامہ کے حضور ملک الشعراء قاری عبد اللہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا منظوم خراج تحسین

مآخذات

(۱) افغانستان در پنج قرن آخر، محمد قاسم رشتیا، جلد اول قسمت دوم، ص۵۵۹
(۲) ہفت روزہ وفا، ۱۰ جدی ۱۳۷۳ھ ش، ص ۱۲
(۳) آریانا دائرۃ المعارف، جلد۶، ص۵۳۷
(۴) د افغانستان پیښلیک، علامہ عبدالحئ حبیبی ص ۲۷۳
(۵) ہفت روزہ وفا، ۱۰ جدی ۱۳۷۳ھ ش، ص ۱۲
(۶) ایضاً، ص ۱۲
(۷) ایضاً ص ۱۲
(۸) سیر افغانستان، ص۱۶
(۹) مجلہ کابل، ۲۲ دسمبر ۱۹۳۳ء، ص۸۵ تا ۸۶
(۱۰) کلیات قاری عبداللہ، ص۳۰۸
(۱۱) ہفت روزہ وفا، ۱۰ جدی ۱۳۷۳ھ ش، ص ۱۲
(۱۲) افغانستان و اقبال، ص۵۱
(۱۳) مجلہ کابل، مئی جون ۱۹۳۸ء، ص۹۴
(۱۴) کلیات قاری عبداللہ، ص۲۰۹
(۱۵) مجلہ خورشید کابل اکادمی علوم کابل زمستان ۱۳۸۹ھ ش بیک ٹائٹل
(۱۶) د افغانستان مشاهیر، جلد۳، ص۳۴

عبد المنان ملگری

عبد المنان ملگری افغانستان کے مشہور شاعر اور مزاح نگار تھے آپ کی تولد ۱۳۱۹ھ ش کو افغانستان کے صوبہ لغمان کے قریہ علی خیل میں مولوی نیاز محمد کے گھر ہوئی تحصیل علم کے بعد ۱۳۳۷ھ ش میں پشتوٹولنہ کے شعبہ سے خدمات کا آغاز کیا ۱۳۴۴ھ ش میں کابل یونیورسٹی کے شعبہ درسی مواد سے منسلک رہے ۱۳۵۶ھ ش مزید تعلیم کے لیے عراق تشریف لے گئے ۱۳۵۷ھ ش افغانستان کے ریڈیو وٹیلی وژن کے شعبہ ڈرامہ سے منسلک ہوئے ۱۳۵۸ھ ش وزارت برقیات و آبپاشی میں خدمات انجام دینے لگے ۱۳۷۱ھ ش افغانستام میں داخلی جھگڑوں کی وجہ سے پشاور منتقل ہونا پڑا یہاں پر بی بی سی کے معروف پشتو ڈرامہ نوی کور نوی ژوند لکھنے لگے۔ [1]

آثار:

۱۔ کرېکه (پشتو شعری مجموعہ) غیر مطبوعہ
۲۔ یو کال او دوہ تراژیدی کیسی (داستانہای کوتاہ)
۳۔ سوځیدلي شمع، اثر نثري، چاپ انجمن نویسندگان افغانستان، کابل، ۱۳۶۷ ھ۔ ش
۴۔ شریک بالا پوش، (طنز و مزاح) طبع "ناہید کتاب خپرولو موسسہ" پشاور، ۱۹۹۹م، ۱۳۷۸ ھ۔ ش [2]

آپ نے افغانستان میں روسی مداخلت کے بعد ھجرت او دربدری کے ایام میں مزار اقبال پر حاضری دی اور پشتو زبان میں علامہ کو یہ منظوم دھکڑا سنایا ۱۳۹۵ھ ش ۲۰۱۶ میں علامہ پاکستان کے سفارت خانہ کابل میں یوم اقبال کی تقریب میں شکیب نے یہ نظم پیش کیا ہے:

د اقبال لاهوري په مزار

د عزتونو د ننگونو د کاروان سالاره
د ملتونو د نبضونو خبرداره یاره
هغه چي تا ورته د ټولې آسیا زړه وایه
څه ترې خبر یې چه په هغه ملت څه تیریږي؟
سلګۍ سلګۍ دی ساندي ساندي دی سنګر سنګر دی
د فاتح هند د بچو شپې په ویرانه تیریږي
ای کاش چي تا هغه خوددار اولس لیدلای شوای
لږ هغه چي ورکړه یې کوله نن له نورو غواړي
هغه سپرلی سپرلی جنت جنت وطن اقباله
لمبې پرې بلي دي دوږخ دوږخ تنور تنور دی [۳]

عبدالمنان ملگری نے یکم سرطان ۱۳۷۸ ہ ش [۴] بمطابق ۲۲ جون ۱۹۹۹ پشاور میں وفات پائی اور اپنے آبائی گاوں لغمان میں دفن ہوئے [۵]

مآخذات

(۱) ویاړلی، ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی، جلد ۹، دافغانستان ملی تحریک وڈاکٹر رفیقی سیڑ نیز مرکز کوئٹہ ۲۰۱۷ء

(۲) آریانا دائرة المعارف، دوره دوم، جلد ٦، د افغانستان اسلامی جمهوریت د علومو اکادمی د دائره المعارف، ریاست کابل، ۱۳۹۶ ہ ش ۲۰۱۷ء، ص ۴۴۷

(۳) افغانان د اقبال له نظره، ص ۱۱۳

(۴) آزاد افغانستان مجلّہ اپریل جون ۱۹۹۹ ص ۲۸۱، ۲۸۴

(۵) گندھارا پشاور مارچ اپریل ۲۰۰۰ ص ۱۰۹، ۱۱۲

عبد الہادی داوی پریشانؔ

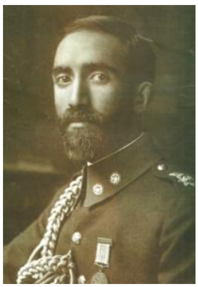

عبد الہادی داویؔ امیر حبیب اللہ کے زمانے سے افغانستان کے معروف لکھاری رہے ہیں۔(۱) آپ کا تخلص پریشانؔ اور پشتون قبیلہ داوی سے تعلق ہے۔ والد کا نام عبد الاحد خان تھا جو قندھار کے مشہور اطباء میں سے تھے جن کو امیر عبد الرحمٰن خان نے کابل بلا کر اطبا میں شامل کیا تھا۔(۲)

آپ کابل کے باغ علی مردان میں ۱۳۱۳ھ ق / ۱۴ / جماد الاول / ۱۲۷۲ھ ش / ۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۲۷۹ھ ش کابل کے حبیبہ لیسہ میں داخل ہوئے اور ۱۲۹۰ھ ش میں یہاں سے سند فراغت عطا ہوئی۔ یہاں آپ مولوی عبد الرب اور مولوی محمد آصف سے پڑھے جن کی خصوصی توجہ سے آپ کی سیاسی فکر کو تقویت نصیب ہوئی۔ اس کے علاوہ یہاں پر فارسی کے اساتذہ ملک الشعرا، قاری عبد اللہ اور عبد الغفور ندیم کی صحبتوں میں ادبی ذوق کو جلا نصیب ہوئی۔ مولوی محمد ظفر اور مولوی محمد حسین خان نے آپ کے سیاسی اور مجموعی ذوق کو پروان چڑھایا اور اردو زبان سے آشنا کروایا۔

۱۲۹۰ھ ش میں علامہ محمود طرازی کے بلانے پر سراج الاخبار افغانیہ کے ادارہ میں محرر مقرر ہوئے۔ یہاں آپ نے ترکی زبان علی آفندی سے سیکھی جو کہ کابل میں حربیہ شعبے کے مدیر تھے۔ عربی صرف و نحو تو طالب علمی میں پڑھی تھی لیکن شام اور مصر کی جدید عربی سے جناب محمود طرزی کے ذریعے سے آشنائی حاصل کی جو کہ عربی کے دانشور تھے۔(۳)

۱۲۹۶ھ ش میں امیر حبیب اللہ خان پر کسی نے قاتلانہ حملہ کیا۔ داوی اس پاداش میں سات مہینے تک جیل بھیج دیے گئے۔ آپ نظر بند ہی تھے کہ امیر حبیب اللہ خان ایک اور قاتلانہ حملے میں مارے گئے۔ اس دوران آپ کے والد بھی دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ جیل

سے رہائی کے بعد سراج الاخبار افغانیہ جس کا نام اس وقت اسان افغان رکھا گیا کے مدیر مسؤل مقرر ہوئے۔

۱۳۰۰ھ ش میں وزارت خارجہ میں ہندوستان اور یورپی شعبے کے مدیر مقرر ہوئے۔ اس دوران افغانستان کے مستقل آزادی اور خود مختاری کے لیے علامہ محمود طرازی کی قیادت میں ایک وفد برطانیہ بھیجا۔ اس وفد میں عبد الهادی داوی بھی شامل تھے۔

۱۳۰۱ھ ش میں خارجہ امور میں تشاور دوم کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔

۱۳۰۲ھ ش میں افغان حکومت کی جانب سے بخارا میں سفیر مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۰ء کے اواخر تک وہیں رہے. افغان اور برطانوی حکومتوں کے مذاکرات کے نتیجے میں انگریزوں نے افغانستان کی آزاد حیثیت تسلیم کرلی۔ تو ۱۳۰۲ھ ش میں عبد الهادی داوی افغانستان کے سب سے پہلے مختار وزیر کی حیثیت سے لندن میں تعینات ہوئے۔ [۴]

۱۳۰۵ھ ش میں وہاں سے مستعفی ہونے کے بعد افغانستان کے وزیرِ تجارت کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران افغانستان میں بچہ سقہ کا انقلاب برپا ہوا۔ داوی کچھ عرصے کے لیے جیل بھیج دیے گئے۔ رہائی کے بعد حکومت سے مقابلہ کرنے کے لیے قندھار، قلات اور شاہ جوی تک گئے لیکن نامساعد حالات سے مایوسی کے بعد بمبئی چلے گئے۔ اقتصادی بحران کی وجہ سے کراچی آئے۔ افغان ملت کے لیے سیاسی سرگرمیوں میں اضافہ کیا۔ لاہور سے افغانستان کے نام سے ایک فارسی جریدہ جاری کیا۔

۱۳۰۸ھ ش میں نادر شاہ کی حکومت کی بحالی کے بعد آپ کو کابل بلا کر جرمنی میں افغانستان کا وزیرِ مختار مقرر کیا گیا۔ ایک سال وہاں رہنے کے بعد حج کی سعادت بھی حاصل کی اور واپس وطن آئے۔

۱۳۰۸ھ ش انجمن ادبی کے اعزازی رکن منتخب ہوئے۔

۱۳۱۲ھ ش نادر شاہ کی شہادت کا واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ داوی تیرہ سال تک جیل کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ [۵]

۲۵ قوس ۱۳۲۵ھ ش میں رہائی ملی۔

۱۳۲۷ھ ش میں ظاہر شاہ کے دربار سے منسلک ہوئے۔

۱۳۲۸ھ ش میں دہ سبز کے عوام کی جانب سے ملی شوریٰ (پارلیمنٹ) کے رکن منتخب ہوئے اور وہاں نمائندگانِ شوریٰ کی جانب سے ملی شوریٰ کے رئیس منتخب ہوئے۔

۱۳۳۲ھ ش میں افغانستان کے سفیر کی حیثیت سے مصر تشریف لے گئے۔

۱۳۳۴ھ ش میں افغان سفیر کی حیثیت سے انڈونیشا تبادلہ ہوا۔ چار سال وہاں رہنے کے بعد خرابی صحت کی بناپر واپس وطن آئے۔[۶]

۱۳۴۴ھ ش کابل جرگہ مشران میں سینیٹر اور پھر اس جرگہ کے رئیس منتخب ہوئے۔ جہاں چار سال تک خدمات انجام دیں۔ جسمانی معذوری لاحق ہوگئی۔ قوت سامعہ جواب دے گئی۔ تحریر اور اشاروں سے آپ کے ساتھ باتیں ہوا کرتی تھیں۔

۱۳۶۰ھ ش میں ضعف و معذوری کے باوجود پلار وطنہ ملی جبہ کی کانفرنس میں شرکت کی۔ ۲۷ / اسد ۱۳۶۱ھ ش / ۱۴۰۲ھ ق / ۱۹۸۲ء کو کابل میں وفات پائی۔ اگلے روز پورے اعزاز کے ساتھ شہدائے صالحین کے قبرستان میں دفن ہوئے۔[۷]

عبدالہادی داوی کی شخصیت پشتو و فارسی ادبیات میں ایک قابلِ قدر حیثیت رکھتی تھی۔ لاہور سے افغانستان مجلّے کا اجرا کیا اور اسی نام سے مصر سے عربی مجلے کا اجرا بھی کیا۔ آپ پشتو و فارسی کے مقتدر ادیب و شاعر تھے۔ آپ نے سیکڑوں موضوعات پر مقالات لکھے۔ مقالہ نگاری کے علاوہ کئی مستقل آثار و تالیفات بھی یادگار ہیں:

۱- زما پاک رسول ﷺ (اردو کے "پیغمبر اسلام" از عبدالحمید قریشی کا پشتو ترجمہ) مطبوعہ لاہور ۱۳۳۸ھ ش۔

۲- تجارت ماباس۔ س۔ س۔ ر۔ فارسی مطبع انیس کابل ۱۹۲۲ء۔

۳- غیاصه۔ منظوم پشتو ۱۳۶۵ھ ق۔

۴- گلخانه بامجموعه پریشان۔ شعری مجموعہ جس میں بعض متاخرین اور متقدمین شعرا کا کلام بھی شامل ہے۔

۵- نغمه۔ شعری مجموعہ۔

۶- رجال وطن۔ افغانستان کے بعض مشاہیر ادبا و شعرا کا تذکرہ۔

۷- لالی ریخته۔ شاعرِ مشرق حضرت علامہ کے اردو اشعار کا منظوم فارسی ترجمہ۔
۸- آثار اردوی اقبال۔ ۲ جلد مطبوعہ کابل۔ (۸)

افغانستان میں غازی امان اللہ خان کے دورِ حکومت میں علامہ پر یہ پہلا مقالہ ہے جو ۱۹۲۹ء سے پہلے امان افغان *اخبار کابل کے مختلف شماروں ۹ - ۱۰ - ۱۱ - ۱۳ - ۱۷ میں پیامِ مشرق کے مشمولات پر شائع ہوا ہے۔ ہمیں امان افغان کے متعلقہ شمارے تو نہیں ملے ثانوی ماخذ افغانستان و اقبال میں صدیق رھپو نے متعلقہ مقالے کی اقساط کو شائع کیا ہے۔ البتہ مقالہ نگار کا نام نہیں دیا ہے۔ (۹)

۱۹۵۵ء میں قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی نے اقبالیات کا تنقیدی جائزہ میں اس مقالے کو آغا ہادی حسن سے منسوب کیا ہے۔ ''آغا ہادی حسن صاحب وزیرِ تجارت نے جو پہلے انگلستان میں افغانستان کے سفیر تھے امان افغان کابل میں پیامِ مشرق پر تبصرہ کے طور پر مضامین کا ایک سلسلہ تحریر کیا تھا جو کئی نمبروں میں چھپا۔ (۱۰)

اس مقالے کے حوالے سے الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ ڈاکٹر محمد عبد اللہ چغتائی نے یوں ذکر کیا ہے:

> امان افغان کابل میں جناب آغا ہادی حسن صاحب وزیرِ تجارت جو پہلے انگلستان میں افغانستان کی طرف سے سفیر تھے ایک سلسلہ مضامین پیامِ مشرق پر بطورِ تبصرہ لکھا تھا جو کئی نمبروں میں شائع ہوا۔ (۱۱)

متعلقہ مقالہ افغانستان میں اقبال کے حوالے سے ابتدائی مقالات میں شامل ہے جبکہ ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے اپنے تحقیقی مقالے افغانستان اور ایران میں اقبال پر مقالات اور کتب میں اس مقالے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ (۱۲)

مشہور افغان اقبال شناس جناب عبد الہادی داوی قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی کے حوالے پر برہم ہوئے ہیں۔ عبد الہادی خان کے بجائے آغا ہادی حسن لکھنا ان کا سہو قرار دیتے ہیں اور وضاحت کرتے ہیں کہ یہ مقالہ آغا ہادی حسن کا نہیں بلکہ عبد الہادی خان داویؔ کا ہے۔

آثار اردو اقبال جلد اول میں یہ افغان اقبال شناس اس مقالے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

بندہ از مدت ھا قبل با آثار دری علامہ علاقہ پیدا کردہ بودم چنانچہ در امان افغان نام مجلّہ سابقہ مقالاتی عاید بہ علامہ و آثار او نوشتہ بودم ولی مجمل و مختصر چنانچہ مولف کتاب (جایزہ تنقیدی اقبال) غفر اللہ لہ کہ از طرف (اکادمی اقبال) بہ زبان اردو در سنہ ۱۹۶۵ء طبع شدہ ست این مقالات مرا ذکر ولی نام مرا سہو نمودہ است۔(متذکرہ تحریر کے حاشیئے میں لکھتے ہیں کہ:
در کتاب مذکور صفحہ ۳۵ نام مرا آغاہادی حسن نوشتہ اند غالباً نوشتہ ئ کہ بمولف مذکور رسیدہ بخط شکستہ مغشوشی بودہ کہ کلمہ "عبد" رآغاو "خان" راحسن خواندہ ست زیرا این نام شخصی در محیط ما موجود نیست و نہ مقالہ ئ در امان افغان نوشتہ ست بلکہ ترکیب این نام در وطن ما مروج نیست۔ البتہ وظایف رسمیہ مرا صحیح در کتاب مذکورہ کردہ کہ وزیر تجارت و قبل از آن سفیر افغانستان در لندن بودہ ام (داویؔ)۔ [۱۳]

جناب داویؔ کے اس دلچسپ انکشاف کے بعد اس بات میں کوئی گنجائش ہی نہ رہی کہ یہ مقالہ ان کا اپنا تحریر کردہ ہے اور اس لیے بھی کہ جناب داویؔ نے بعد میں علامہ کے اردو آثار پر دو جلدوں میں کتاب بھی لکھی۔ انھوں نے علامہ کی بعض اردو منظومات کا فارسی منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔

مقالے کا آغاز حضرت بیدل کے درج ذیل ابیات اور جناب داویؔ کی اس تمہید سے ہوتا ہے:

نہ ترنمی نہ جوشی   نہ طپیدنی نہ دردی
بہ خم سپہر تا کی   می نا رسیدہ باشی

(بیدلؔ)

پیامِ مشرق نام مجموعہ اشعار و افکاریکی از مجموعہ ھای جدیدی است کہ در ادبیات فارسی در این عالم تاریک مثل ماہ طلوع نمودہ کاروان برای افتادہ مارا انجم اھتدا "میشود یا بانگ درراہ۔ محرر پیامِ مشرق شاعر شہیر عالمِ اسلام "دوکتور اقبال" است اقبال از خطہ کشمیر بینظیر و مقیم لاہور ہندوستان است۔ [۱۴]

ترجمہ: پیامِ مشرق نام ہے اس جدید شعری مجموعے کا جو اس عالم تاریک میں فارسی ادبیات میں چاند کی مانند طلوع ہوا ہے۔ پیامِ مشرق کا لکھاری عالم اسلام کا مشہور شاعر ڈاکٹر محمد اقبال ہیں جن کا تعلق کشمیر کے بے نظیر خطے سے ہے مگر لاہور ہندوستان میں مقیم ہیں۔

اس کے بعد داویؒ لکھتے ہیں کہ اقبال نے یورپ کے کیمبرج سے تکمیل تعلیم کے سلسلے کے بعد جرمنی سے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی اور اس وقت تک فلسفہ میں شاید جرمنی سے بڑھ کر کوئی اور ملک نہیں۔ اقبال اپنی اس دردمندی اور قلبی آگاہی کا منبع حضرت محمد ﷺ کی محبت اور بعض اہل دل حضرات کی نگاہ بتاتے ہیں:

خرد افزود مرا درس حکیمان فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظراں

اسی بنا پر اقبال کی اپنے ملک میں بھی پذیرائی ہوئی لوگ انھیں ترجمانِ حقیقت اور مصورِ فطرت کہتے ہیں جبکہ ملک کے باہر تو لوگوں نے ان کے افکار کو درسی کتب میں بھی شامل کر دیا ہے۔ ابھی حال ہی میں حکومت نے انھیں ''سر'' کا خطاب دیا ہے جس کو منورین ہندوستان عجائب الخطابات گردانتے ہیں جبکہ علامہ خود اس خطاب کو باعثِ ابتلا سمجھتے ہیں۔

داویؒ شعرا کی دو اقسام بتاتے ہیں۔ جن میں ایک گروہ ان شعراء کا ہے جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ (القرآن: الشعراء۲۶: ۲۲۴تا۲۲۶) اور دوسرے وہ حضرات ہیں جو اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے راہیں ہموار کرتے ہیں۔ جیسے سعدیؒ، جامیؒ، رومیؒ، سنائیؒ رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین۔ آخر وقتوں میں شعرا کا ایک طبقہ ایسا بھی تھا جنھوں نے ملت کو خوابِ غفلت میں مبتلا کرنے کے سلسلے میں ایک لمحہ بھی غفلت نہیں دکھائی۔ یہ شعرا معاشرے کے تنزل اور معنویات کو مسمار کرنے بلکہ خود معاشرے کے چہرے پر داغ رہے۔ ان کو پتا نہیں تھا کہ انھوں نے افراد کے دل و روح کو کس طرح زہر آلود نشتر سے زخمی کر دیا ہے۔

این شاعرھا از تنزل و خرابی معنویات جامعہ خیلی ''بلی خیلی'' کمتر متحسس بودند بلکہ خود یکی از خرابی ھا بودند این بدیعہ ''شعری'' را کہ در دست ناشستہ شان زہرآگین شدہ بود

نمید دانستند و درک نمی کردند کہ بہ دل و روح مردم چہ نشترھای زہر دارد میدر آورند راینہا کشتۂ الفاظ بودند تلازم و تناسب معنی بیگانہ صنایع دیوانگانہ مبالغات فوق الامکان تشبیہات و استعارات بیمعنی مقصد ان بیمقصد ھا بود "عشق" این عاطفۂ قدسی را بدرجہ "امرد پرستی" تنزل دادہ بودند کلمہ ھای عربی در شعر آوردن را ثقالت و سخافت می نامیدند۔ تنہا کلمات بلکہ مضامین جدی و قور اخلاقی و سیاسی ہم بر طبع وندو پریشان و میگسار غزل ھای شان مثل سنگ گران بود۔ شعر تنہا برای گل و مل چمن و بلبل و سراپاھائی معشوق نا قابل تصور موھوم ایشان مخصوص بود۔ (۱۵)

اس کے بعد داوی نے خدا کی حمد کرتے ہوئے عالمی تہذیب کی ترتیب و شوکت میں بلند کردار ادا کرنے والوں کو غنیمت سمجھا ہے۔ اس استدلال سے جناب داوی کی علمی پختگی و فہم و فراست کا آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

ولی الحمدللہ این بی مبالاتی این مدہ (مود) فرسودہ دیگر از قلمرو عالم میرود فنا شود۔ (اگرچہ بقدر لازم ھنوز رفتار فنای آں سرعت ندارد) حالا دیگر ملت اسلامیہ ایام غفلت خانحانان را تنفر میکنند۔ حالا دیگر بجای الفاظ بہ معنی و بجای کالبد بہ روح متوجہ میشوند حالا سیاسی استادانہ دھر مارا از خواندن "واقف" بادیدہ ھای اشکبار منع کردہ میرود، مثلی کہ در ہر طرف لزوم راہ رہبر و راہ پیما داریم ھر چیز نشان منزل مقصود می جوییم شعر را ھم از ھمہ زیادہ تر و شاید از ھمہ اولتر باید برای ھمین سفر "مسابقہ حیات" "تنازغ البقا" استعمال می کینم۔

بلی ما در دست چرخ تقدیر "خواہ خود را خبر کینم یا نکینم" بمسابقہ حیات آغاز کردہ اہم ہر کہ مسابقہ را باخت مثل عہد رومای کبریٰ غذای شیران گرسنہ می شود حیات دیگر با او کاری ندارد۔ او صرف ادامۂ حیات دیگران میشود بلی حیات حیوانات بہ محو حیات انسان ھا ادامہ میشود۔ ھمین است احکام نیروھای امروزہ کہ بر تخت سطنت مدنیت نام و حشمت مطلقہ تمکن دارند۔ (۱۶)

اس بحث کو خاصا طول دیا گیا ہے مگر اس طوالنیت میں بھی علمی بصیرت و استعداد کو مسلسل قائم رکھا ہے۔ اس کے بعد داویؔ نے پیامِ مشرق کی تمہید پر بحث کی ہے اور لکھا ہے

کہ چونکہ پیامِ مشرق کی تمہید علامہ نے اردو میں لکھی ہے اس لیے اس تمہید کی تلخیص فارسی میں ترجمہ کر کے مقالے میں شامل کی ہے۔

تمہید کی اس تلخیص کے بعد کتاب کے ابتدائیہ کی جانب توجہ مبذول کرائی گئی ہے جو بقول ان کے درد سے بھرپور التماس اور نصائح پر مشتمل ہے جو ایک مردِ خود آگاہ غازی امان اللہ خان کے نام منسوب ہے۔

ابتدائیہ کو نقل کرنے کے بعد داویؔ نے لالۂ طور کی رباعیات کو یوں متعارف کرایا ہے:

طبع فطرت دوست و صحرا پسند اقبال بیش از همه گلها لالۂ خود روی صحرای را مورد دقت هائی شاعرانه و جستجو هائی حکیمانه خود قرار داده است۔ سینۂ مسلم تجلیگاه دیگر و ناله او شعله دیگر است از هر لاله که ازین طور سر زند اثر همان جذوه مامول است که موسیٰؑ امید العلہم یصطلون داشت بیدل علیه الرحمه درین موضوع یکقدم بیشتر می نهد که میفرماید۔

شوق بر کسوت ناموس جنون میلرزد عوض داغ مبار اید بیضا بخشند

لاله طور چه زیبا نامی است برای آن ناله های سوخته برجسته که از "وادی المقدس" روح بیتاب ایمان میخیزد این مجموعه رباعیات که شعر و دین در آن مزوج است در چار چوبۂ هر رباعی خود دروازه شهراه نو "حیات" باز مینماید و حتیٰ باز دلهای بیخون را مایل تپش و نیاز۔ (۱۷)

داویؔ لکھتے ہیں کہ لالہ طور میں شامل رباعیات کی تعداد ۱۵۵ ہے۔ اگرچہ میں ان رباعیات میں سے اپنا انتخاب پیش کر رہا ہوں لیکن بقیہ میں سے ہر ایک رباعی چھوڑتے ہوئے خونِ جگر پی رہا ہوں۔ اس انتخاب سے پہلے داویؔ نے ان رباعیات کے موضوعات و مطالب سے پردہ کشائی کی ہے۔

مقالے کے ایک اور عنوان "حضور و نیاز" کے تحت داویؔ نے ایک دلچسپ تاریخی واقعے کا ذکر کیا ہے کہ وہ ایک دن نجی محفل میں اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ شہید کے ساتھ بیٹھے تھے۔ موضوعِ اقبال شیرینی مجلس تھی۔ اعلیٰ حضرت علامہ کے افکار سے اظہار مسرت کر رہے تھے مگر ایک جگہ پر کہا کہ " اقبال کا ایک عیب ہے کہ اللہ کے حضور ان کی گفتگو قدرے گستاخانہ ہو جاتی ہے" مثلاً خدا او انسان، تو شب آفریدی چراغ آفریدم وغیرہ۔ داویؔ لکھتے ہیں کہ میں نے اس سلسلے میں بعض متقدمین شعراء کے حوالے بھی دیے جنھوں نے

پروردگار سے بے تکلفانہ انداز میں راز و نیاز کیا ہے اور عرض کیا کہ شاید اقبال نے انسان کو اپنا تشخص یاد دلانے کے لیے یہ سب کچھ کیا ہو۔ البتہ داوی کا بھی یہی خیال ہے کہ اقبال بعض اوقات تجاوز کر جاتے ہیں۔

در یک وقت غیر رسمی خوشبختانہ بحضور اعلیحضرت غازی پادشاہ حقایق آگاہ ما شرف حضور داشتم و ذکر اقبال "شیرینی مجلس" بود اعلیٰ حضرت از افکار اقبال اظہار خوشی میکردند و تقدیر میمودند اما خبر مودند "اقبال یک عیب دارد کہ بحضور الہٰی خطابہ ھای قدری گستاخانہ میکند مثلاً مکالمہ خدا و انسان تو شب آفریدی چراغ آفریدم و غیرہ، مضمون ھمایون زمینہ مبادلہ افکار حضار گرام مجلس در حق نظمہائ دیگر اقبال مثل "شکوہ" و غیرہ شدند، منہم حصہ گرفتم و این را ارادۂ جدی اقبال نینگاشتم و گفتم شاید اقبال میخواھد ازین راہ بہ انسان ھا اہمیت و مکانت علو کرامت حقیقی شان رابفہماند۔ ولی من خودھم قبول میکنم کہ تجاوزات اقبال یکقدری از اندازہ زیاد است۔ افکار و احساسات تصحیحۂ پادشاہ ما اسباب صد مسرت و شکران است۔ اما اقبال از آداب و نیاز خالی نیست در ہیجان حسیات و بزم بی تکلف و بعضا ادب ناشناسی شعر این گونہ زواید سرزدہ است ورنہ اقبال در ہر چیز جلوہ او "جل جلالہٗ" می بیند در نظر او ہر ورقی معرفت است ہر موجودی آئینہ تجلیات احدیت و ھمہ کائنات مصروف نیاز و عبادت۔ (۱۸)

داوی کو بجا طور پر یہ اعتراف بھی ہے کہ اقبال بارگاہ الٰہی میں آداب و نیاز سے خالی نہیں۔ وہ ہر چیز میں اللہ جل جلالہ' کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں ہر صفحۂ معرفت ہے۔ ہر موجود آئینہ ہے ان کی تجلیات کا۔

مقالے میں فلسفہ کے ضمنی عنوان میں داوی نے فلسفۂ اقبال کے بنیادی خد و خال کو واضح کرتے ہوئے لالۂ طور کی ۱۲ رباعیات کو اس موضوع سے منسلک قرار دیا ہے:

مقالے میں فلسفہ کے ضمنی عنوان میں داوی نے فلسفۂ اقبال کے بنیادی خد و خال کو واضح کرتے ہوئے لالۂ طور کے ۱۲ رباعیات کو اس موضوع سے منسلک قرار دیا ہے۔

چسان زاید تمنا در دل ما چسان سوزد چراغ منزل ما
بچشم ما کہ می بیند، چہ بیند چسان گنجید دل اندر گل ما
بہ شبنم غنچہ نورستہ میگفت نگاہ ما چمن زادان رسا نیست

در آن پہنا کہ صد خورشید دارد تمیز پست و بالا ہست یا نیست[۱۹]

داوی کے خیال میں تاریخ اگرچہ فلسفہ کی عمر تین ہزار سال سے زائد بتائی ہے لیکن ھنوز یہ معمہ حل ہونے سے قاصر ہے۔ حیرت ہی عرفا کا آخری مقام ہے اور عقلِ سلیم بھی اس طرح۔

هزاران سال بافطرت نشستم باو پیوستم و از خود گسستم
ولیکن سرگذشتم این دو حرف است تراشیدم پرستیدم شکستم
خرد زنجیری امروز و دوش است پرستار بتاں چشم و گوش است
صنم در آستین پوشیده دارد برہمن زادۂ زنار پوش است[۲۰]

داوی نے ذیل چودہ موضوعات کو لالۂ طور کی رباعیات میں پنہاں پایاہیں:

۱- عشق و درمندی، ۲- سخت جان وزحمت دوستی، ۳- اعتماد نفس، تحقیق، اجتہاد، ۴- طلب و جستجو، ۵- آرزوپروری، ۶- ہمت عالی، ۷- تقدیر اہمیت و مکانت انسانی، ۸- ترک جبن و فداکاری، ۹- گریز از پول دوستی، ۱۰- شناختن مواقع استعمال قوای خود، ۱۱- عدم خوف از مرگ، ۱۲- دقت، ۱۳- ترک نیشنلزم، ۱۴- احترام دین۔

داوی نے عشق و دردمندی کے سلسلے میں فکرِ اقبال کی ایک ہی جہت سے ترجمانی کی ہے۔

عشق از ''آرزو'' و تولد شده است وخادم'' آرزو'' و است نقط آتش است ''پرورش آرزو''وپرورش عشق است هم چنانکہ ''پرورش آرزو'' و عشق'' همت عالی'' پیدا میکند همت عالی نیز آرزو و مطلب بلند تمنیه مینماید اینها لازم و ملزوم یک دیگرند انسان کہ صاحب همت عالی باشد باید'' بہ اہمیت ''خود مدرک شود تا'' اعتماد نفس'' کامل تر گردد و در راه طلب پختہ تر برای اختیار کردن طرز صحیح برای'' طلب'' وموفق ''شدن شناختن موافق استعمال قوای خود'' و'' دقت'' در شناختن کیف وکم وخواص همہ ماحول خود ضروری است۔[۲۱]

مقالے کے دیگر ضمنی عنوانات عشق، سخت جان و زحمت دوستی، خود اعتمادی نفس، تحقیق و اجتہاد، طلب و جستجو اور آرزو کے سلسلے میں پہلے موضوع پر مختصر اظہارِ خیال اور اس کے بعد متعلقہ موضوع سے متعلق علامہ کے اشعار کے حوالے دیے گئے ہیں۔

جناب عبد الہادی داوی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ وہ پہلے افغان اقبال شناس ہیں جنھوں نے حضرت علامہ پر فارسی میں افغانستان میں سب سے پہلے با قاعدہ کتابیں لکھیں۔ اقبال شناسی کے سلسلے میں آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ نے حضرت علامہ کے اردو اشعار کے منظوم فارسی تراجم کئے ہیں۔ جابجا حاشیہ و تشریح بھی رقم کی ہے۔ اور ان کاوشوں کی دو جلدیں آثار اردوی اقبال ابھی تک زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

افغانستان میں بھی حضرت علامہ کی صد سالہ جشنِ ولادت کی تقریبات کا انعقاد ہوا۔ اس سلسلے میں کئی نشریات شائع ہوئیں۔ اس میں ایک اہم کام افغانستان میں اقبال شناسی کے حوالے سے عبد الہادی داوی کا "**آثار اردوی اقبال (فارسی)** قوس۱۳۵۶ھ ش میں شائع ہوتا ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں شائع ہوئی اور اس کی اشاعت کا اہتمام افغانستان کے وزارت اطلاعات وکلتور کے موسسہ انتشارات بیہقی نے کیا تھا

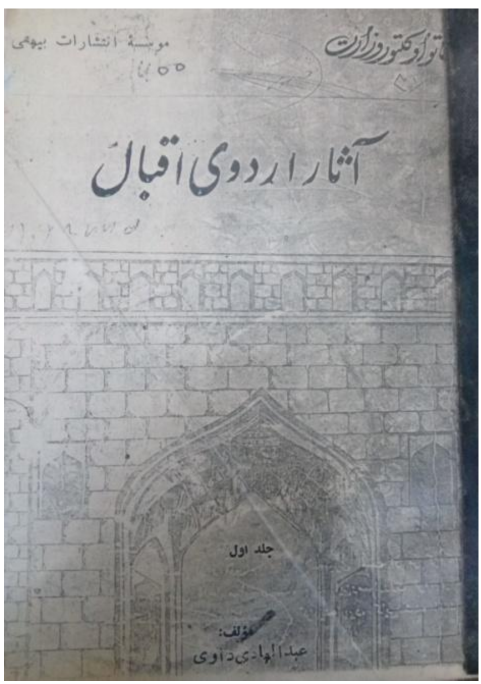

جلد اول میں ۱۴ عنوانات اور ۶۷ ضمنی عنوانات کے ذریعے علامہ کی آفاقی شخصیت کے مختلف فنی و فکری نکات پر بحث کی گئی ہے۔

کتاب کی فہرست بلحاظِ عناوین ضمنی عناوین و صفحہ نمبر ذیل ہے۔

حمد و نعت، حمد ا، نعت ۲، مقدمہ، اقبال ما۳، لہجہ وطنیہ و محاورہ۹، تشریح بعضی کلمات ۱۰، آثار اردوی علامہ ۱۱، قدردانی ملتمو سسات دایمی ۱۳، یومِ اقبال ۱۵، طبع آثار ۱۶، اقبالیست ھا۱۶، ترجمۂ آثار ۱۶، در خارج ۱۶، حیات، خاندان ۱۷، ازدواج ۱۹، تصوف، علامہ صوفی است ۲۱، تفسیر خودی یا فلسفہ او ۲۴، مقاصد، دفع استعمار، ۲۶، اصلاح نوجوانان ۳۱، سیاست زبان و بیانعلاقہ زبان دری با اردو ۳۱-۳۲، علت شعر گوئی ۳۳، کیف استعمال زبان دری ۳۴، مراحل شعر او ۳۵، پرنویسی ۳۶، اسلوب شعر، آمد شعر ۳۷، سبک ۳۸، حوالہ بہ رجال، ۳۸، ناھمائی خیالی، ۳۹، علامہ و ادبائی سلف، ۳۹، بدیع و بیان ۴۱، ملاحت یا اغلاق ۴۲، عناوین اشعار ۴۴، تاریخ و مقام انشاد ۴۴، گریز از لفاظی ۴۵، جلد اول اقبال نامہتمہید ۴۷، مولانا سید سلیمان ندویؒ ۵۱، سید راس مسعود، ۵۸، محمد عباس لمعہ ۶۱، عبدالماجد ۶۳، مخدوم الملک، ۶۵، غلام السیدین، ۶۷، پروفیسر الیاس برنی ۶۸، مولوی مسعود ندویؒ ۶۹، پروفیسر شجاع، ۷۰، صفرا ہمایون بیگم ۷۰، منشی انجمن تبلیغ اسلام نیرنگ، ۷۲، عشرت رحمانی ۷۳، جوابیہ انتقادات، مقالہ بر فلسطین، ۷۴-۷۵، جلد دوم اقبال نامہتمہید ۷۶، قائد اعظم ۷۶، کش پرشاد ۷۷، عبدالرحمٰن و عبداللہ چغتائی ۸۱، مولوی صالح محمد ۸۴، مولوی محمد اکبر ۸۵، خواجہ حسن نظامی ۸۹، پیغلہ عطیہ فیضی ۹۱، پروفیسر محمد اکبر ۹۳، محمد جمیل ۹۵، مولوی عبدالحق ۹۶، شاطر ۹۷، محمد دین ۹۸، سید نذیر نیازی ۹۸، قاضی نذیر احمد ۹۹، صاحبزادہ آفتاب احمد خان ۱۰۱، خلیل خالد ۱۰۳، مکتوبات اقبال، سید نذیر نیازی ۱۰۶، ضربِ کلیم، تمہید ۱۰۸، اسلام و مسلمانان ۱۱۰، تعلیم و تربیت ۱۱۲، جنس لطیف ۱۱۳، ادبیات و فنون لطیفہ ۱۱۶، سیاسیات شرق و غرب ۱۱۹، محراب گل افغان ۱۲۱، ارمغانِ حجاز، تمہید و تعریف، ۱۲۵، مجلس مشاورۂ ابلیس ۱۲۶، نصیحت بلوچ ۱۲۸ بیاض ضیغم کشمیری ۱۲۹ [۲۲]

کتاب کے آغاز میں ''تذکر'' کے عنوان سے افغانستان کے وزیرِ اطلاعات و کلتور پوہاند نوین کے چند تعارفی کلمات شائع ہوئے ہیں۔

یکی از مردانیکہ در عصر حاضر تمام عمرش را وقف گسستن زنجیر ھائی استعمار و خدمت بہ ملل مشرق زمین کردہ است علامہ اقبال میباشد۔ او نہ تنہا بہ عنوان یکی از آغاز گران نہضت آزادیخواھی در نیم قارہ شہرت دارد بلکہ بہ حیثیت شاعر و فیلسوف و سخندانی بزرگ نیز حایز مرتبت والاییست کہ بہ شخصیت و چہرۂ درخشانش ابعاد متنوع میدہد۔ واما احساس و قضاوت ما افغانہا بر علاوۂ ارج گزاری بہ مقام سیاسی و ادبی این فرزند نامی خاور زمین از منبع دیگری نشان می کند از جائیکہ اقبال می گوید۔

آسیا یک پیکر آب و گل است ملتِ افغان درآن پیکر دل است

او افغان دوستی بزرگ بود وہمیشہ در امر بیداری مشرق زمین نظری خاص بسر زمین ماداشت و در آثار چون پیامِ مشرق، پس چہ باید کرد اقوام مشرق و مسافر و دیگر مجموعہ ھائی شعرش از ملت افغان بعنوان ملتی آزادہ سرفراز و زنجیر گسل استعمار و استبداد یاد کردہ است۔ ماھموارۂ یاد این بزرگ مرد را گرامی میداریم وخوشحالیم کہ در ازا آنھمہ محبت عالمانہ و شاعرانہ این کتاب ارزشمند رابہ کوشش و تدوین و تالیف استاد گرانمایہ بنا غلی عبد الہادی داوی بہ زیور طبع می آرائیم ومعنأ ادائی دین می کینم۔ (۲۳)

ترجمہ: عصرِ حاضر کے ان مردانِ حق میں سے ایک علامہ محمد اقبال ہیں جنھوں نے زندگی بھر استعماری قوتوں کی زنجیروں کو توڑنے اور مشرقی اقوام کی خدمت کرنے میں انتھک جدوجہد کی۔ وہ نہ صرف برصغیر کی جدوجہد آزادی کے بانیوں میں سے تھے بلکہ بحیثیت شاعر و فلسفی ان کے گراں قدر خیالات نے ان کی شخصیت میں شاندار اضافہ کیا تھا۔ البتہ ہم افغانوں کے لیے ادبی و سیاسی مقام کے علاوہ بھی سرزمین مشرق کے اس عظیم فرزند کے احسانات ہیں جنھوں نے فرمایا:

آسیا یک پیکر آب و گل است ملتِ افغان درآن پیکر دل است

وہ افغانوں کے بہت بڑے دوست تھے۔ وہ مشرق کی بیداری میں ہمیشہ ہماری سرزمین کو ایک خاص توقع آمیز نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اپنے آثار خاص کر پیامِ مشرق، پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق و مسافر اور دیگر شعری آثار میں ملتِ افغان کو ملتِ آزاد و سرفراز، زنجیر گسل استعمار و استبداد کے نام سے یاد کیا ہے۔ ہم اس عظیم محسن کی یاد کو احترام

سے منا رہے ہیں اور خوش ہیں کہ ان کی اس عالمانہ و شاعرانہ محبت کی بنیاد پر ہم جناب عبدالہادی داوی کی کوشش و تدوین سے یہ کتاب شائع کر رہے ہیں۔

کتاب کے آغاز میں مولانا جامی قدس سرہ کی مثنوی یوسف زلیخا سے حمد شامل کی ہے جس کا مطلع اور آخری بیت درج ذیل ہیں:

الٰہی غنچۂ امید بکشائی گلی از روضۂ جاوید بنمائی
بیا ساقی رہا کن شرمساری زصاف و درد پش آر آنچہ داری (۲۴)

حمد کے ذیل میں حکیم سنائی غزنوی کے ۱۴ نعتیہ ابیات نعت کے عنوان سے شامل کیے ہیں پہلا اور آخری بیت درج ذیل ہے:

چون تو بیماری از ھوا و ھوس رحمت للعالمین طبیب تو بس
در حریم وی سلامت جوئی شرم دار از حرام دست بشوئی

مولانا جامی اور حکیم سنائی کی حمد و نعت کی اس اشاعت کو مؤلف نے افغانستان کے ان زعما سے اقبال کے اخلاص و عقیدت کا سبب لکھا ہے۔(۲۵)

اس کے بعد جناب داویؔ کے پانچ صفحات پر مشتمل مقدمہ شروع ہوتا ہے جس میں واضح کیا گیا ہے کہ اس کتاب میں فقط علامہ کے اردو آثار کے نام وغیرہ درج کرانا نہیں بلکہ علامہ کے مقاصدِ حیات و افکار خصوصاً افغانوں کے لیے دلچسپی کے امور کو اجاگر کرنا ہے۔ ''اقبال ما'' کے عنوان کے تحت اقبال کو خالصتاً ایک مسلم شاعر ہونے کی بنا پر اپنا شاعر کہا ہے۔علامہ کی اس رباعی کا حوالہ دیا ہے:

''توای کودک منش خود را ادب کن مسلمان زادۂ ترک نسب کن
برنگ احمر و خون و رگ و پوست اگر نازد عرب ترک عرب کن (۲۶)

اقبال نے کبھی بھی مسلمانانِ ہند کے ہندی ہونے کی بنا پر خدمت نہیں کی ہے بلکہ فقط مسلمان ہونے کے ناتے ان کے لیے سرگرمِ عمل رہے۔بقول سنائی:

سخن کز بہر حق گوئی چہ عبرانی چہ سریانی
مکان کز بہر حق جوئی چہ جابلقاء چہ جابلساء

اقبال افغانوں سے قلبی و صمیمی محبت رکھتے تھے۔ جاوید نامہ میں افغانستان سے متعلق ارشاد فرمایا: "پیامِ مشرق میں ملت اسلامیہ کے ممالک کی حالت پر افسوس کا اظہار کیا۔ جبکہ افغانستان سے کئی توقعات وابستہ رکھتے ہوئے افغانوں کی تعریف و توصیف کی۔"(۲۷)

داویؔ نے ان تمام دلائل کے اثبات میں جابجا علامہ کے اشعار کے حوالے دیے ہیں۔ ساتھ ہی جا بجا علامہ کی ان لغات، اصطلاحات و تعبیرات کی نشاندہی کی ہے جو انھوں نے مثنوی معنوی، عطارؔ، حدیقہؔ، حکیم سنائی اور آثار جامیؔ سے مستعار لی ہیں۔

عبد الہادی داویؔ نے آثار اردوی اقبال میں علامہ کے درج ذیل اردو آثار متعارف کرائے ہیں:

۱- مکتوبات الف۔اقبال نامہ دو جلد از پروفیسر شیخ عطاء اللہ۔
ب۔مکتوباتِ اقبال ایک جلد از سید نذیر نیازی۔
ج۔خطوط اقبال ایک جلد از عطیہ فیضی۔

۲- ضربِ کلیم شعری مجموعہ۔

۳- ارمغانِ حجاز حصہ اردو۔

۴- خطباتِ اقبال مختلف تقاریر، بیانات و خطبات کا اردو ترجمہ۔

۵- بانگِ درا اردو اشعار کا مجموعہ۔

۶- اخبارات و رسائل کے لیے لکھے گئے نثری مضامین۔

۷- بالِ جبریل اردو شعری مجموعہ۔

۸- شاد اقبال مجموعہ مکاتیب۔

۹- مکاتیب اقبال رئیس جالندھر نیاز الدین خان کے نام ۷۹ مکاتیب کا مجموعہ۔

۱۰- مضامین اقبال علامہ کے چودہ مضامین کا مجموعہ جو ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا۔

۱۱- علم الاقتصاد اردو میں لکھی گئی علامہ کہ پہلی کتاب لیکن چونکہ علامہ کے شاعرانہ و فلسفیانہ افکار سے ہم آہنگ نہیں اس لیے ان پر بحث نہیں کی جائے گی۔

۱۲- فلسفہ عجم میر حسن الدین نے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا۔(۲۸)

جناب عبد الہادی داویؔ نے جلد اول میں صرف ان چار کتب کو منتخب کیا ہے:

(۱) اقبال نامہ

(۲) مکتوباتِ اقبال

(۳)ضربِ کلیم

(۴)ارمغانِ حجاز

"مؤسسات دائمی" کے عنوان سے علامہ اقبال کے نام پر بنائی گئی مختلف انجمنوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ بزمِ اقبال، اقبال سوسائٹی، اقبال اکادمی، ادارہ اقبال وغیرہ۔

اس کے ساتھ اس شدید خواہش کا اظہار بھی کیا گیا ہے کہ کاش اگر افغانستان میں بھی علامہ کے نام سے منسوب کوئی تنظیم بنائی جائے یا علامہ کے نام سے کسی عمارت کو موسوم کیا جائے تو اس عظیم شخصیت کے حق کی ادائیگی میں پیش رفت ہو جائے۔[۲۹]

آثار اردوی اقبال کے لکھنے تک اقبال پر کیے گئے بنیادی کام کو زیر تحقیق لایا گیا ہے۔ یومِ اقبال، طبع آثار اقبال، اقبالست ھا، اقبالیات کے تراجم، عالمی سطح پر اقبال پر کیا گیا کام وغیرہ۔ اقبال کی حیات اور ازواج پر بحث کے ساتھ ساتھ تصوفِ اقبال، تفسیر خودی یا فلسفۂ اقبال پر بحث کی گئی ہے۔

علامہ کے مقاصد کا تعین کیا گیا ہے، جن میں دفع استعمار و محکومیت از ہند، و اصلاح جوانان شامل ہیں۔ علامہ کی سیاست، اردو و دری کی مماثلت، علامہ کی علتِ شعر گوئی، علامہ و استعمال زبان دری، مراحل شعرء اقبال، پُر نویسی وغیرہ بھی زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔

علامہ کے اسلوب شعر کو درج ذیل عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے:

آمد شعر، سبک، حوالہ بہ رجال گذشتہ، نام ہائے خیالی علامہ و ادبائے سلف ما، علامہ و بدیع و بیان، ملاحت یا اغلاق، عناوین اشعار تاریخ و مقام، انشا، گریز از لفاظی و لسانی۔

اردو آثار کے سلسلے میں پہلے اقبال نامہ کا مجموعی تعارف تمہید کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے اور ساتھ ہی بتایا گیا ہے کہ اقبال نامہ میں درج ذیل تین ہستیوں کے نام مکاتیب موجود ہیں:

۱- مولانا سید سلیمان ندوی ؒ ۷۰ مکتوبات۔

۲- ڈاکٹر سید راس مسعود مرحوم اور ان کی اہلیہ اور اسی طرح ممنون حسن خان ۳۷ مکتوبات۔

۳- ڈاکٹر محمد عباس علی خان المتخلص لمعہ ۲۹ مکتوبات۔

سید سلیمان ندوی ؒ کے نام اقبال کے کئی مکتوبات کا فارسی ترجمہ جناب داوی ؔ نے پیش کیا ہے۔ ان میں مکتوب ۲۰ - ۲۵ - ۲۸ - ۳۳ - ۳۷ - ۳۸ شامل ہیں۔ جبکہ جناب ندوی ؒ کے ساتھ علامہ کے ان تمام مکتوبات کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ان مکتوبات میں مکتوب نمبر ۳۳ بنام سید سلیمان ندوی ؒ کا فارسی ترجمہ درج ذیل ہے:

لاہور ۱۸/ اگست ۱۹۲۴ء

مخدومی السلام علیکم

درین ایام پوھنتون مشہور جماہیر متحدہ امریکا (کولمبیا) یک کتابی بنام (نظریات مسلمین درباب مالیات) شایع نمودہ درین کتاب نوشتہ است کہ اجماع امت نص قرآنی را منسوخ کردہ میتواند......

مصنف علاوہ میکند کہ نزد بعضی حنفا و معتز لہ اجماع امت این اختیار را دارد۔ ولی او ھم حوالہ نمی دہد لہٰذا از حضور شما این سوال را میکنم کہ ایا در آثار فقھی ازیں قبیل چیزی یافتہ میشود؟ سوال دیگر اینکہ رائی شخص شما درین باب چہ است؟ بندہ از حضور مولوی ابوالکلام صاحب نیز در عریضہ ئی پرسیدہ ام اگر جناب شما زود جواب بدھید نہایت ممنون خواھم شد۔

مخلص شما محمد اقبال بیرستر

۴۳ میکلو درود لاہور [۳۰]

سر راس مسعود کے نام علامہ کے مکاتیب نمبر ۵ - ۳ - ۷ - ۸ - کے فارسی تراجم دیے گئے ہیں۔ مکتوب نمبر ۸ کا فارسی ترجمہ پیش ہے:

لاہور ۲/۷ جولائی ۱۹۳۳ء

جناب مکرم السلام علیکم

نوازش نامۂ شما حال رسید۔ شکران مرا بپذیرید۔ من بہ بیسار خوشی مضمون راخواھم نوشت۔ ولی نہ درین دسمبر زیرا اولا شاید خارج بردم اگر باشم ھم برائی نوشتن یک مقالۂ دیگر وعدہ کردہ ام اگر سید راس مسعود برائی سال آئیندہ بخواھند من حاضرم۔

شمار در اخبار خود مضمون مرا کہ در جراید انگلیسی طبع شدہ است ذکر کردہ اید۔ آن در اصل یک (مخاطبہ) بود کہ در جواب سوالات بانامہ نگار یک اخبار (ھنگری) کردہ بودم۔ چنان معلوم میشود کہ نامہ نگار مذکور آنرا بصورت یک مضمون مستقل ساختہ و بہ اخبارات انگلیسی فرستادہ است و بسی مطالب ضروری را کشیدہ و ترک نمودہ است شاید بجہت حفظ ربط مضمون خود عجبست کہ در جریدۂ (ھمدم) لکھنو کدام آقائ بران اعتراضات کردہ است زیرا مقاصد مضمون مذکور را درست فہمیدہ نتوانستہ است۔

شمار در مکتوب سابق خود بسبب ترجیح دادن من اصول اجتماعی اسلام را بر اصول وطنیت مرا امام العصر خواندہ اید من عرض شکران میخایم۔

یک جریدۂ نیشنلست (قوم پرست) کہ چھار مدیر مسلمان دارد و شمارۂ اول آن امروز در لاہور نشر شدہ است مینویسد کہ "اقبال عذر لنگ وطنیت تراشیدہ است" ببینید کہ نوجوانان مسلمانی کہ در کالج ھائی مغربی تحصیل کردہ از نقطۂ نظر روحانی چقدر فرومایہ اند آنھا نمید انند کہ اسلامیت چیست و وطنیت چیست۔ نزد آنھا وطنیت محض یک اشتقاق لفظ وطن است وبس۔

امید ست بعافیت باشید
محمد اقبال[۳۱]

داوی صاحب نے پروفیسر خواجہ الیف ایم شجاع کے نام دو مکاتیب کا فارسی ترجمہ و تلخیص (محررہ ۲۰/ جنوری ۱۹۳۱ء از لاہور و ۲۱ / اگست ۱۹۳۲ء) بھی پیش کیے ہیں۔ اس کے علاوہ میر سید غلام بھیک نیرنگ کے نام ۵/ دسمبر ۱۹۲۸ء کے مکتوب کا فارسی ترجمہ بھی کیا ہے۔ ان مکتوبات کے علاوہ درج ذیل مکتوبات کے فارسی تراجم و تلخیصات بھی کتاب میں شامل ہیں۔

- بنام حافظ محمد فضل الرحمٰن انصاری
- بنام سر کشن پرشاد محررہ یکم / نومبر ۱۹۱۶ء
- ایضاً محررہ ۳۰/ جون ۱۹۱۷ء

- بنام محمد عبد اللہ چغتائی محررہ ۱۴/ جون ۱۹۳۷ء
- بنام مولوی صالح محمد
- بنام لسان العصر مولوی اکبر الٰہ آبادی محررہ ۹/ نومبر ۱۹۱۱ء
- ایضاً محررہ ۲۵/ جولائی ۱۹۱۸ء
- بنام خواجہ حسن نظامی محررہ ۲۵/ اپریل ۱۹۰۶ء
- ایضاً محررہ ۱۰/ فروری ۱۹۰۸ء
- بنام عطیہ فیضی محررہ ۳۱/ اگست ۱۹۲۰ء

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ متذکرہ بالا مکتوبات کے تراجم دیتے وقت جناب داوی نے وضاحتی نوٹ بھی تحریر فرمائے ہیں۔ متذکرہ بالا اور ان کے علاوہ علامہ کے مکتوبات کے حوالے سے بعض نکات پر جابجا تفصیلی تحقیقی و تنقیدی جائزے بھی پیش کیے ہیں جن میں سے بعض خاصے اہم ہیں۔ بعض اشخاص سے متعلق اہم یادداشتیں بھی اہمیت کی حامل ہیں۔

مکتوبات اقبال پر دو صفحات کی مختصر بحث کے بعد ضربِ کلیم کے مشمولات کا صفحہ نمبر ۱۰۸ تا ۱۲۴ کا عالمانہ و محققانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ جابجا مختلف اشعار کی تشریحات کی گئی ہیں۔ جبکہ حسبِ ضرورت بعض اشعار کے منظوم فارسی تراجم بھی پیش کیے ہیں۔

اگرچہ جناب داوی نے ''لالی ریختہ'' میں ضرب کلیم کے ۶۷ قطعات کے فارسی منظوم تراجم پیش کیے ہیں لیکن یہاں بھی بعض تراجم کے حوالے دیے گئے ہیں مثلاً: اگرچہ جناب داوی نے ''لالی ریختہ'' میں ضرب کلیم کے ۶۷ قطعات کے فارسی منظوم تراجم پیش کئے ہیں لیکن یہاں بھی بعض تراجم کے حوالے دیے گئے ہیں مثلاً:

خودی است تیغ فساں لا الہ الا اللہ
دروست سر نہاں لا الہ الا اللہ
بہ جستجوی براہیم خود بود ایں عصر
صنم کدہ است جہان لا الہ الا اللہ (۳۲)

کتاب کے آخر میں پانچ صفحات میں ارمغانِ حجاز کے مشمولات پر عالمانہ و محققانہ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

آثار اردو اقبال جلد دوم بھی افغانستان کی وزارتِ اطلاعات و کلتور کے موسسۂ انتشارات بیہقی کی جانب سے قوس ۱۳۵۶ھ ش (۱۹۷۷ میں ۱۰۹ اصفحات پر شائع ہوئی ہے جلد دوم آثار اردوی اقبال کی فہرست درج ذیل ہے:

جلد دوم آثار اردوی اقبال کی فہرست درج ذیل ہے:

تذکر، الف، مقصدِ مترجم ب، دیباچہ ا، اطفال و جوانان ۱۳، ہمدردی ۱۳، سرود ملی ۱۴، مناظر طبیعیہ ۱۵، گل رنگیں ۱۶، گل پژمردہ ۱۷، نوید صبح ۱۸، موتر ۱۹، اسلامیات ۲۰، فاطمہ ۲۰، قطعہ ۲۱، ترانہ ملی ۲۲، غرہ شوال ۲۳، مسلم ۲۵، عشق و محبت ۲۶، عاشق ہرجائی ۲۸، وصال ۳۰، غزل ۳۲، ایقاظ و اخطار ۳۵، تصویر ۳۵، شکوہ ۴۳، جواب شکوہ ۴۹، شفا خانہ حجاز ۵۷، شمع و شاعر ۵۸، خضر راہ ۶۲، طلوع اسلام ۶۷، فلسفہ ۷۰، استفسار از خفتگان خاک ۷۰، عید ۷۴، پیام ۷۵، فلسفۂ غم ۷۵، مراثی ۷۷، غزلیات ۸۲، ظرافت ۸۴، مقالات ۸۷

کتاب کے آغاز میں افغانستان کے وزیر اطلاعات و کلتور داکتر پوھاند نوین کی تعریفی و توصیفی تحریر ''تذکر'' کے عنوان سے شائع ہوئی ہے:

اقبال چہرہ ایست درخشان و الہام بخش کہ فلسفہ آزادی و وطن پرستی بانام آن رابطہ ناگسبتنی دارد۔ اقبال شاعریست شیوا بیان و شیریں کلام کہ شعر و ادب دری وارو اذان رنگ جاویدان داشتہ وطنین آہنگ آن بردل ہر صاحب دل اثر می گزارد۔

اقبال فرزند ارجمند یست کہ مادر مشرق افتخار پرورش آنرا داشتہ و خجستہ ترین آرزو ھا و آمال رادر شخصیت گرانمایہ او خلاصہ کردہ است۔ اقبال این شاعر و فیلسوف ھاپایۂ شرق بنابر علایق و دلبستگی عمیقیکہ بہ مردم فرہنگ و آزادی کشور افغان داشتہ افغانستان رامشعلدار آزادی شرق ومایۂ امید وراستی از استعمار میداند۔

(ملتی آوارۂ کوہ و دمن
در رگ او خون شیران موجزن)

(زیرک و روئین تن و روشن جبین
چشم او چون جره بازان تیز بین)

در پاسخ به نکوترین وژرفترین احساسات علامه بافغانستان ما از اقبال رسالت انسانی اقبال۔ تابش نبوغ فکری و مبارزۂ اقبال در قبال تحریک حسن آزاد یخواهی جوامع شرق خاصا جنبش ھائی نجاتبخش از سلطۂ استعمار وقت در نیم قاره بامنت داری خاصی همواره استقبال می نمایم و در مقام تجلیل از شخصیت بزرگوارشان که خیرا باهمکاری مؤسسه فرهنگی یونیسکو برگزاشد یاد آوری نموده رهبر انقلاب جمهوری افغانستان نباغلی محمد داؤد در پیامیکه بدین مناسبت به اجتماع لاهور فرستادند چنین ارشاد فرموده اند ”علامه اقبال بدون شبه یکی از رجال بشر دوست و پاکیزه سرشتیست که روزگار گاهگاهی به جهان انسانیت ارمغان می نماید آن فیلسوف شهیر چنانکه آثار گرانبهائی خود را وقف غنائی اندیشه و ثقافت انسانی نمود علاقه خاصی به کشور ما افغانستان ابراز مید اشت و بخشی از اشعار ابدار خود بمر دم ما به یاد گار گذاشت۔

بااین تذکر مختصر مسروریم جلد دوم آثار اردوی اقبال راکه در نتیجه سعی استاد عبدالهادی داویؔ گردیده واین دست آور دار زنده مبین احساسات عمیق و احترام بی شائبه ملت افغان بمقام والای علامه می باشد جهت آشنائی بهتر هموطنان عزیز با علامه اقبال و افکار و آثارش تقدیم می نمائیم“

پوهاند دکتور نوین
وزیر اطلاعات وکلتور (۳۳)

ترجمہ: اقبال ایک ایساروشن و منور چہرہ ہے جس کے پرتو سے فلسفۂ آزادی و وطن پرستی کو روشنی عطا ہوئی ہے۔ اقبال ایک ایسا شاعر شیوا بیان ہے جس کے کلام کی شیرینی سے فارسی شعر و ادب کو شیرینی ملی ہے۔ ان کے اشعار کے آہنگ نے ہر صاحبِ دل کے دل پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔

اقبال ایک ایسا فرزندِ ارجمند ہے جس کی پرورش مادرِ مشرق کے لیے باعثِ فخر ہے۔ ان کی شخصیت کی تشکیل میں اعلیٰ اوصاف کو یکجا کیا گیا ہے۔ اقبال مشرق کے عظیم شاعر و فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ افغانوں، ان کی سرزمین آزادی اور تہذیب سے بھی محبت رکھتے

تھے۔ وہ سر زمین افغانستان کو آزادی مشرق کا منبع اور استعمار سے نجات دہندہ تصور کرتے تھے......

بانگِ درا پر جناب داویؔ نے فارسی میں مختصر مقدمہ تحریر کیا ہے۔ ان کے زیر مطالعہ بانگِ درا کے بائیسویں ایڈیشن ۱۹۶۳ء کا مطبوعہ نسخہ رہا ہے۔ بقول ان کے طبع اول ۱۹۲۴ء تا ان زیرِ استعمال نسخہ ۱۱۹۲۰۰ (ایک لاکھ انیس ہزار دو سو) نسخے شائع ہو چکے ہیں اور بقول ان کے ہندوستان و پاکستان میں کسی بھی شاعر کو اتنی محبوبیت و مقبولیت نصیب نہیں ہوئی ہے۔

مقدمہ میں علامہ کی شاعری کے ادوار' ان کے اشعار' غزلیات' رباعیات' قطعات وغیرہ کی تعداد پر تحقیق کی گئی ہے۔ بانگِ درا کے مضامین کو نو اصنافِ عناوین میں تقسیم کیا گیا ہے:

(۱) برائے اطفال (۲) مناظر طبعیہ (۳) اسلامیات (۴) عشق و محبت (۵) ایقاظ (۶) فلسفہ (۷) قدردانی ھاہ و مراتی (۸) غزلیات (۹) ظرافت

شیخ عبدالقادر بیرسٹر ایٹ لا کے مکمل دیباچے کا فارسی ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس دیباچے کے ترجمے کے ساتھ ساتھ جناب داویؔ نے جابجا علمی و معلوماتی تشریحات و حاشیے تحریر کیے ہیں۔ جناب داویؔ نے علامہ کی شاعری کو جن نو عناوین اصناف میں تقسیم کیا ہے ان میں سے ہر عنوان کے تحت بحث اور جا بجا حسبِ ضرورت منظوم فارسی تراجم کیے ہیں۔ ان عناوین کے تحت ان موضوعات سے متعلق علامہ کے فکری زاویوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اقبال کے کلام کے ان حصوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو ان موضوعات سے متعلق ہیں۔ حصہ اول اطفال ونوجوانان میں نظم ہمدردی کا منظوم فارسی ترجمہ شامل کیا گیا ہے:

نظم ہمدردی کا منظوم فارسی ترجمہ:

بلبلی بر شاخۂ خشک درخت — از غم تنہا پیش خاطر کرخت
گفت روزم در پریدنہا گذشت — شب رسید کل جہان تاریک گشت
کی رسم تا آشیان خویشتن — مشکلی دارد بہ شب رہ کافتن
کرم شبتابی شنید اینقصہ را — گفت من حل میکنن این غصہ را
شب شنیدم بلبلان فریاد را — حاضرم با جان و تن امداد را

گرچہ من چیزی نیم در تاب تن حق تعالیٰ روشنی داده بمن
راه را از بر تو روشن کنم تا تره آسودۂ مسکن کنم
ہر کس کہ بدرد دیگران خورد
وی بوده بزرگ و دیگران خورد (۳۴)

ہمدردی کے بعد جناب داوی نے ''ہندوستانی بچوں کا قومی گیت'' کا بھی فارسی منظوم ترجمہ کیا ہے:

سرود ملی برائے بچہ ھائے ہندوستانی

زمینی چشتیؒ دران پیغام حق شنواند چمنی کے نانک دران ترانہ وحدت خواند
و تاتاریھا آنرا وطن خود ساختند حجازھادر شوق آن دشت عرب رافراموش کردند
وطن من ھمان ست، وطن من ھمان ست
آنجا کہ یونانی ھا را حیرت زدہ ساختہ بود ویتمام جھاں علم وہنر گستر دہ بود
خاکش راحق تعالیٰ تا ثیر زربخشیدہ و دامن تر کھارا از الماس معلو نمودہ بود
وطن من ھمان ست، وطن من ھمان ست
جایکہ انجم شکستہ وریختہ فضائی فارس را دوبارہ چوں کہکشاں درخشانید
جا یکہ دنیا را سرور وحدت شنوانیدہ و میر عربؐ رانیسم گوارا ازانسو رسیدہ
وطن من ھمان ست، وطن من ھمان ست
پربت سینائی کہ بندھا کلیم آیندہ و کشتی نوح آنجا آرامیدہ
زمینی کہ در رفعت نرد پان فلک است و در فضائی آن حیات بہشتی موجود ست
وطن من ھمان ست، وطن من ھمان ست (۳۵)

عنوان دوم مناظر فطرت کے مد میں نظم ''گل رنگین'' کا منظوم فارسی ترجمہ کیا ہے:

''گل رنگین''

چون شناسائی خراش عقدۂ مشکل نہ ئی ای گل رنگین مگر داری حسن و دل نہ ئی

زیب بزم اما شریک شورش محفل نہ ئی   ہمچو مشغول بزم ہستی عاجل نہ ئی
من درین گلشن سراپا سوز و ساز آرزو
زندگانی تو لیکن بی گداز آرزو
کندنت از شاخسار ای گل مرا آئین نہ بود   این نظر غیر از نگاہِ چشم صورت بین نہ بود
اینچنین دست جفایم ای گل رنگین نہ بود   چون بفهمانم مرا خاصیت گلچین نہ بود
کی برائی دیدۂ حکمت نمایم پارہ ات
میکنم با چشمهائی بلبلی نظارہ ات
باوجود صد زبانست خامشی منظور شد   این چہ اسرار کاندر سینہ ات مستور شد؟
صورت من نیز چون برگ ریاض طور شد   بھر تو ہم ہمچو من طرف چمن ہا دور شد
مطمئنی تو ولی آشفتہ من چون بو شدم
زخمی شمشیر ذوق جستجو ہر سو شدم
این پریشانی مگر سامان جمعیت شود   این جگر سوزی چراغ خانہ حکمت شود
ناتوانیهائی ما سرمایۂ قوت شود   رشک جام جم ہمین آئینۂ حیرت شود
این تلاش متصل شمع جهان افروز شد
توسن ادراک انسانی را خرد آموز شد(۳۶)

گل پژمردہ کا منظوم فارسی ترجمہ:

گل پژمردہ کا منظوم فارسی ترجمہ:

باچہ جرأت ای گل پژمردہ جان گل گویمت   با تمنائی دل مشتاق بلبل گویمت
یاد وقتی کت صبا گھوارہ جنباں بودہ ست   "نو گل خندان" ترا درباغ عنوان بودہ ست
ہرنسیم صبح احسان تر اقرار داشت
نفخہ ات باغ و چمن را طبلۂ عطار داشت
بر تو شبنم ریز باشد دیدۂ گریاں من   شد نہاں در پاس تو گویا دل ویران من
میمنائی می حال برباد سرا تصویر تو   زندگانی جو خوایم رایکی تعبیر تو

ہمچو نی از نی ستانِ خود حکایت می کنم
بشنوای گل! کز جدائها شکایت می کنم (۳۷)

نظم نویدِ صبح کے منظوم فارسی ترجمے کے بعد نظم "موٹر" کا فارسی منظوم ترجمہ دیا گیا ہے:

منظوم فارسی ترجمہ نظم موتر:

وی حرف پختہ ئی ز جگندر شیندہ ام — موتور ذوالفقار علی شد خموش
ھنگامہ آفرین نبود خرام ناز — مانند برق تیز برنگ ہوا خموش
گفتم کہ نیست منحصر موتر ایں کمال — در راہ زندگی شدہ ہر تیز پا خموش
کردہ ست پا شکستہ جرس رافغان خموش — شد کارواں وی مثال صبا خموش
میناست پا بہ گل ز فغاھائی قلقلش — لیکن مزاج جام خرام آشنا خموش

از بھر شاعران بر پرواز خامشی
سرمایہ دار گرمی آواز خامشی (۳۸)

یہاں پر جناب داویؔ نے حاشیہ میں نواب ذوالفقار علی خان کو علامہ کا دوست بتایا ہے اور ان سے اپنی ملاقات کا حوالہ دیا ہے۔

نظم "فاطمہ بنتِ عبداللہ" کا منظوم فارسی ترجمہ:

فاطمہ! تو آبروئی امت مرحومہ ئی — ذرۂ محرومۂ خاکی ولی معصومہ ئی
در صف غزاۃ سقائی نصیب گشتہ ئی — خوش سعادت حور صحرائی نصیب گشتہ ئی
بین جہاد فی سبیل اللہ بی تیغ و سپر — شد جسارت آفرین شوق شہادت آنقدر
غنچہ ئی در این گلستان خزان منظر عجب — اینچنین آتش الٰہی بین خاکستر عجب

آھوئی بسیار در صحرا ست پوشیدہ ھنوز
برقھا در آبر باریدہ ست خوابیدہ ھنوز

فاطمہ گر شبنم افشان ست چشم در غمت — نغمۂ فرحت ہم آمد در زمین ما تمت
تا ز سوز زندگی ھر ذرہ اش لبریز شد — رقص ھائی خاک تو در دل نشاط انگریز شد

زادہ ئی ھنگامہ ھا از تربت خاموش خود تا کہ قوم تازہ پروردہ ست در آغوش خود
گرچہ ماندم بیخبر از وسعتِ این مقصدت آفرینش پیش بنی میکنم از مرقدت
انجم تازہ کند در چرخ دیرینہ ظہور دیدۂ انسان بود نا محرم آنموج نور
نو برآمد ھائی ظلمت خانۂ ایام ما تابشش نا آشنائی قید صبح و شام ما
تابشش با کھنہ گی طرز نوی آرد دران
کوکب تقدیر تو خرش پرتوی آرد دران (۳۹)

عنوان اسلامیات کے تحت غرّہ شوال یا ھلالِ عید اور نظم ''مسلم'' کے فارسی منظوم تراجم کیے گئے ہیں۔ جبکہ عنوان عشق و محبت کے تحت ''عاشق ہر جائی'' کا فارسی منظوم ترجمہ کیا گیا ہے۔ دونوں حصوں کے فارسی تراجم ذیل ہیں:

(۱)

بوالعجب مجموعۂ اضداد شد (اقبال) ما رونق ھنگامۂ محفل ہم و تنہا ھم است
دارد آن دیوانۂ رنگین نواھنگامہ ھا زینت گلشن ھم و آرایش صحرا ھم است
ہمنشین انجم آمد رفعت پرواز او کاک دان فرسا قدوم او فلک پیما ھم است
باوجود می پرستی جبھہ دارد سجدہ ریز درمزا یائی مزاجش مشرب مینا ھم است
از لباس رنگ عریان مست مثل بوئی گل طبع حکمت آفرینش مابل سودا ھم است
جانب منزل رواں ئی نقش پا مانند موج لیکن افتادہ مثال ساحل دریا ھم است
حسن نسوانی بود چون برق بھر فطرتش وین عجب بنگر کہ عشقش بازی بی پروا ھم است
گشتہ آبین تفنن ھستی او نامدار آہ بریک استان گاھی جبین فرسا ھم است
در حینان شہرت او شد وفا ناآشنا این تلون کیش سا مشہور ھم رسا ھم است
آمدہ اندر جھان با خصلت سیمابی
جان فدائی عادتش دارد عجب بیتابی

(۲)

کردہ مست آشوب عشق آنرا چو صحرائی وسیع مشت خاکی کش نھان زیر قبا آوردہ ام
ھر سویش پھلو و ھر پھلو رنگ دیگر است خوش تراش الماس در سینہ فرا آوردہ ام
رستخیز کیفیت ھاگو دل شاعر مگو کی خبر داری کہ در سینہ چھپا آوردہ ام
آرزوھا جلوۂ نو داشت در ھر کیف آن اضطرابم دل سکون آشنا آوردہ ام
گرچہ روی نو بود ھر لحظہ مقصود نظر لیک بھر حسن پیمان وفا آوردہ ام
تا مزاج فطرتم از بینیازی جان گرفت سوز و ساز جستجو مثل صبا آوردہ ام
کی دھد تسکین تماشائی شرار جستہ ي تا دل خون گشتہ بی برق آشنا آوردہ ام
ھر تقاضائی مزاج عشق را ساز و خموش تا تجلیٔ چنان کامل وفا آوردہ ام
جستجوی کل درا جزائی وجودم ساری ست حسن بیپایان و درد بیدوا آوردہ ام
چون حیات من ز درد انجامی الفت بود عشق را از قید وفا آوردہ ام
راست گر پرسی ز افلاس تخیل شد وفا محشر نو ھر دمی دردل بے آوردہ ام
فیض ساقی شبنم آسا ظرف دل دریا طلب عطش دایم دارم آتش زیر پا آوردہ ام
حسن گر در محفل ھستی چنین کم جلوہ بود پس تخیل ئی نھایت من چرا آوردہ ام

در بیابان طلب پیوست می کوشیم ما
موج بھر یم و شکست خویش بردو شیم ما(۴۰)

جناب داویؔ نے نظم ''تصویر درد'' کا مکمل فارسی منظوم ترجمہ کیا ہے جبکہ شکوہ کا تعارف بڑی شد و مد کے ساتھ پیش کیا ہے۔ شکوہ پر بعض لوگوں کے اختلافات سے لے کر ملتِ اسلامیہ کی مجموعی بیداری تک مختلف نکات پر بحث کی گئی ہے۔ شکوہ کا تقریباً نصف یعنی ۳۱ میں سے ۱۵ بند منظوم ترجمہ ہوسکے ہیں۔ فارسی ترجمہ شدہ بند نمبر ترتیب سے درج ذیل ہیں:

۶، ۷، ۸، ۹، ۱۱، ۱۳، ۱۵، ۲۴، ۲۵، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱

جبکہ جوابِ شکوہ کے سلسلے میں وجہ تخلیق اور اس نظم سے وابستہ اسرار و رموز کا دقیق جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ درج ذیل بند فارسی منظوم ترجمہ ہو چکے ہیں:

۷،۹،۱۰،۱۱،۱۳،۱۴،۱۵،۱۶،۱۷،۱۸،۱۹،۲۰،۲۱،۲۲،۲۳،۲۴،۲۵،۲۷،۲۸،۲۹،

۳۰،۳۱،۳۲،۳۴،۳۶

ذیل منظومات میں بعض کے مکمل اور بعض کے جزوی منظوم فارسی تراجم ہوئے ہیں۔ شمع وشاعر، خضرارہ، طلوعِ اسلام، فلسفہ، فلسفہ عجم، مراثی، ظرافت

مقالات علامہ کے عنوان سے ایک صفحے کی تحریر علامہ کے بعض مقالات کے تعارف میں ہے جبکہ پیامِ مشرق اگرچہ فارسی میں ہے لیکن اس کا دیباچہ اردو میں ہے لہٰذا داویؔ نے کتاب کے آخر میں پیامِ مشرق کے اس دیباچے کا فارسی ترجمہ شامل کیاہے۔

جن پر افغانستان میں کتابیات اقبال کے باب میں بحث کی گئی ہے۔ البتہ کتاب **"لالی ریختہ"** کے طباعت یا غیر مطبوعہ ہونے کا حوالہ نہیں ملا۔ یہ کتاب بھی جناب داویؔ کی تحریر کردہ ہے۔ جو ابھی تک زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔ اس کتاب میں داویؔ نے حضرت علامہ کے اردو منظومات کی فارسی منظوم تراجم پیش کئے ہیں۔[41] آثار اردو اقبال کی دونوں جلدوں میں جابجا مختلف موضوعات پر تحریر کے دوران لالی ریختہ کا حوالہ دیتے ہیں مثلاً آثار اردوی اقبال جلد اول میں ضربِ کلیم کی بعض منظومات سے متعلق لکھتے ہیں

قسمت اول تحت عنوان (اسلام و مسلمانان) ۶۷ حصہ یا قطعہ دارد کہ اکثر آن عاید بہ احوال ہندوستان در ھمان عصر میباشد۔ ابتدائی آن با قطعہ (صبح) نام آغاز میشود کہ اذان بندۂ مومن را موجد چنان سحر وصباح می بیند کہ لرزانندہ شبستان وجود است و در قطعہ دوم آخر ہر بیت جملہ جمیلہ لا الہ الا اللہ راذکر نمودہ از آں خطوجوشی کہ می گیرد قارئین رانیز ذاکر و متذکر میسازد......[42]

یہاں پر حاشیے میں تحریر کرتے ہیں:

در لالی ریختہ کامل ترجمہ شدہ است نہ تنھا ھمین قطعہ بلکہ یہ تعداد ۷۶ قطعہ دیگر نیز از ضربِ کلیم نظماً ترجمہ شدہ اند۔[43]

بانگِ درا کو جناب داویؔ نے فکری و معنوی اعتبار سے نو عناوین میں تقسیم کیاہے۔ ان عناوین میں ایک عنوان اسلامیات ہے۔ اس موضوع سے متعلق فکرِ اقبال اور لالی ریختہ میں اپنے تراجم کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

اگرچہ تمام غم و ھم علامہ مرحوم برائی اسلام و اسلامیان ست مقصد اصلی حیات خود را ھمین میداند و ہر قلم و قدم و درم او مصروف ھمین مدعائی عالی و مقبول ست ولو عنوان شعر اواز (مناظر طبیعیہ) یا (ایقاظ) باشد۔ (غزل) و (ظرافت) یا (عشق) و (جدیت) باشد غایۂ آں برائی مسلمانان و اسلامیات میباشد ولی بعض ازینھا از عنوان گرفتہ تا شرح و بیان و از ابتدا تا انتھای آن بصراحت ئی ایما و اشارت بی ابھام و کنایت خالص اسلامی است لھذا من آنرا عنوان اسلامیات دادہ ام ازین قبیل قطعات در ھر سہ حصۂ بانگِ درا بطورِ متفرق موجودند۔

در حصہ اول و دوم دو قطعہ و در حصہ سوم ۲۷ اقطعہ ست بندہ چند تائی آنرا نظماً یا نثراً ترجمہ میکنم عنوانھائی باقی آنھارا در فہرست آخرین و ترجمۂ بعضی قطعات آنرا دور لالی ریختہ قارئین گرامی یافتہ خواھند توانست...... (۴۴)

آپ کے بیاض میں حضرت علامہ کے نام منظوم فارسی خراج تحسین محفوظ ہے:

"خطاب بہ اقبال"

صبا بگوی بہ اقبال خوش بیان از من — کلام تست کے سر تا بہ پائی آن اثر است
صدای زندگی از سرزمین مردہ خوش است — کہ نالہ ھای اسیر ان زسوزش جگر است
عجب نباشد اگر سر زدہ است از ظلمات — کہ آب چشمہ حیوان و کوکب سحر است
چگو نہ ظلمت آفاق را سخن ندارد — کہ نہ سپیدہ مجزا "امید" منفجر است
چراخراب نساز د چگونہ درند ھہ — چو سیل تند و چو صھبای ناب شعلہ وراست
چرا زمین دل آسیا نخند اند — کذاب دیدہ ابر بہار پاکتر است
جذو ر جامعہ را آب میدہد جودت — ہم آن فروغ گرانمایہ را سر و ثمر است
شعار نظم تو تریاق سم استعمار — نظام نثر تو اسھام ظلم را سپر است
چو تیشہ تو زبان اشنای کوہسار است — بہ گوش کاھن مانیز گرم و پر شر است
توبہ توبہ این ملت بلند خیال — زرو شنای قلب و زبان کی گہراست
خطا بہ توبہ عنوان "ای جوان عجم" — بہشت گوش پریشان سرمہ بصر است

دل و دماغ منور کجاست تا داند
چہ تپش گوی صادق چہ کشف معتبر است (۴۵)

مآخذات

(۱) تاریخ ادبیات افغانستان، ص ۱۱۰
(۲) د افغانستان د ژور نالیزم مخکښان، ص ۶۹
(۳) اوسنی لیکوال، جلد ا، ص ۳۶۸ تا ۳۸۳
(۴) د افغانستان کالنی، ص ۲۲۰
(۵) اوسنی لیکوال، جلد ا، ص ۳۷۳
(۶) ایضاً، ص ۳۷۳
(۷) پښتانه شعرا، جلد ۵، ص ۳۲۲
(۸) ایضاً، ص ۳۲۷- ۳۲۸
(۹) افغانستان و اقبال، ص ا تا ۲۱
(۱۰) اقبالیات کا تنقیدی جائزہ، ص ۴۴
(۱۱) اقبال کی صحبت میں، ص ۱۸۳
(۱۲) اقبال ممدوح عالم، ص ۲۸۴ - ۳۰۵
(۱۳) آثار اردوی اقبال، جلد ا، ص ۸
(۱۴) افغانستان و اقبال، ص ا
(۱۵) ایضاً، ص ۲ - ۳
(۱۶) ایضاً، ص ۳
(۱۷) ایضاً، ص ۱۲
(۱۸) ایضاً، ص ۱۳
(۱۹) ایضاً، ص ۱۵
(۲۰) ایضاً، ص ۱۵
(۲۱) ایضاً، ص ۱۷

(۲۲) آثار اردوی اقبال، جلد ا، ص الف تا د
(۲۳) ایضاً، ص آغاز
(۲۴) ایضاً، ص ا
(۲۵) ایضاً، ص ۲
(۲۶) ایضاً، ص ۵
(۲۷) ایضاً، ص ۷
(۲۸) ایضاً، ص ۱۲
(۲۹) ایضاً، ص ۱۶
(۳۰) ایضاً، ص ۵۴
(۳۱) ایضاً، ص ۶۴، ۶۵
(۳۲) ایضاً، ص ۱۱۰
(۳۳) آثار اردوی اقبال، جلد دوم ا، ص آغاز
(۳۴) ایضاً، ص ۱۳، ۱۴
(۳۵) ایضاً، ص ۱۴، ۱۵
(۳۶) ایضاً، ص ۱۶، ۱۷
(۳۷) ایضاً، ص ۱۷، ۱۸
(۳۸) ایضاً، ص ۱۹
(۳۹) ایضاً، ص ۲۰، ۲۱
(۴۰) ایضاً، ص ۲۸، ۳۰
(۴۱) پښتانه شعرا جلد ۵، ص ۳۲۸
(۴۲) آثار اردوی اقبال، جلد ا، ص ۱۱۰
(۴۳) ایضاً، ص ۱۱۰
(۴۴) آثار اردوی اقبال، جلد دوم ص ۲۰
(۴۵) د افغانستان کالنی_ شماره مسلسل ۴۵- ۴۶- ۱۳۵۹ھ ش، ص۔ ۱۰۰۸

عزیز اللہ مجددی

عزیز اللہ مجددی افغانستان کے ضلع کشم صوبہ بدخشاں میں پیدا ہوئے۔ دعوت و جہاد یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں اور اس وقت (۲۰۰۴ء) افغانستان میں کابل کے نشرات دادستان کے رئیس ہیں۔ آپ کا شمار افغانستان کے اقبال شناس شعرا میں ہوتا ہے۔ آپ نے علامہ کو ۱۵ حمل ۱۳۸۳ھ ش کو منظوم فارسی خراج تحسین میں اس خطے کا نجات دہندہ قرار دیا ہے:

آنکہ در مصر سخن از قرنھاتا قرنھا — چلچراغ افروختہ تا حضر سوزد جانفزا
درمیان مجمری "رومی" چنان پیچید وسوخت — رازھا از پرنیان مولوی بگوشد ما
در رموز بیخودی تفسیر صد اسرار کرد — پر زدن آموخت بر پرواندن خلد فنا
صد قبس افروخت درینا‌ں دل باخامہ اش — باحضور دل شکست عمران جسم بی بقا
با فروغش صد خم جوش خودی ما پختہ شد — زورق "ھیوی" طریقت برد ساحل لنگرا
انخا را جز بہ اللہ الصمد مردود خواند — اقبالا فیلسوفا الی امام ای مقتدا
بر جبین ھند بنوشت خط سرخ حریت — پیکر وحشت بد خاک افتاد اندر آسیا
باختند تا خاور و تا آسیا بیدار شد — مرحبا اقبال شور و انقلاب نی نوا
خاکروب آستانت توتیا "مجددی" کند — باشد از فیض تو روشن چشم قربانی مرا[۱]

مآخذ

(۱) علامہ اقبال در ادب فارسی و فرہنگ افغانستان، ص ۱۹۰-۱۹۱

غلام دستگیر خان مہمند

غلام دستگیر خان کا تعلق پشتون قبیلہ مہمند سے ہے۔ آپ بھی افغانستان کے ایک مقتدر اقبال شناس ہیں۔ حضرت علامہ کی وفات کے بعد مجلّہ کابل کے خصوصی شمارہ مئی/ جون ۱۹۳۸ء میں آپ کا ایک فارسی مرثیہ شائع ہوا۔ جس میں آپ نے حضرت علامہ کے دردِ فرقت کو نہایت درد انگیز انداز میں بیان کیا ہے۔ جبکہ غلام دستگیر خان کے دیگر سوانحی تفصیلات تلاشِ بسیار کے باوجود دستیاب نہ ہو سکیں۔

رثای اقبال

چیست این شوروشر مردم و آواز وخروش　　که رسد دمبدم از غمکدۂ ہند بگوش
نالہ و شورو فغانی کہ برداز سر ھوش　　شنود گوش دل این واقعہ از بانگ سروش

می ندانی کہ بہ ھند این چہ خروش وزاریست
شیون مرگ سراقبال بعالم طاریست

شاعر ہند زدہر عدم آباد برفت　　رخت بستہ و باخاطر ناشاد برفت
تاکہ از بزم سخن نامور استاد برفت　　ساز عشرت ہمہ رایک وبہ یک ازیاد برفت

نہ مسلمان بہ غمش ماتم و شیون دارد
سینۂ چاک ببین گبرو برھمن دارد

شاعری ہمچو سر اقبال بہ دنیا کم بود　　سخنانش بدل خستہ دلان مرھم بود
طبع او صاف زآئینہ و جام جم بود　　دیدہ اش ازغم ابنای وطن پرنم بود

روزو شب فکر بہ بہبود مسلمان می داشت
خانۂ قلب پراز جوھر ایمان می داشت

کرد باطرز غزل تازہ روان سعدی — از سخن لطف بہ بخشید بیان رومی
ماند بنیاد سخن خوبتر از فردوسی — گوی سبقت بر بوداز شعرای نامی
روح دانتی شدی مبھوت ازان فکر رساش
خاست از مرقد گویتی بہ فضا مدح و ثناش
رفت آن قافلہ سالار ادب قافلہ ماند — خاک غم رفتن او برسر گیتی افشاند
اشہب مرگ بر انگیحت و تند برآند — چشم پوشید ازیں غمکدہ ویر نماند
پس ازین چشم نہ بیند رخ اقبال دگر
نکتہ گوہر گفتار شود ابدال دگر
مردعارف چورود دولت پائیندہ ازوست — ہم دراقلیم سخن خاطرھا زندہ ازوست
شمع عرفان بجہان روشن و تابندہ ازوست — گوہر فیض بہر جای پراکندہ ازوست
صاحب فیض دلامردم فرخندہ بود
کشت روشان ثمر و حاصل آئیندہ بود
وزفکرت و از عقل رسای اقبال — آوخ از شیوہ و از حسن ادای اقبال
حیف از طبع گہر ریز و صفائی اقبال — می سزدنو حہ نمایئم برای اقبال
حیف دانا کہ رود زودتراز دیر فنا
نشود زود نظیرش بجہان ہم پیدا[1]

مآخذ

---

۱ مجلّہ کابل مئی جون۱۹۳۸ء، ص ۹۳

غلام ربانی ادیب

غلام ربانی ادیب افغانستان کے مشہور نوجوان شعرا میں سے ہیں۔ آپ پنجاب یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں۔ اس وقت (۲۰۰۴ء) افغانستان میں وزارت عدلیہ قضایان دولت کے رئیس ہیں۔ آپ نے ۲۰ ثور ۱۳۸۳ھ ش کو کابل میں حضرت علامہ کو فارسی میں یوں خراج تحسین پیش کیا ہے:

عشق اقبال روح و جان ھا را بہ فریاد آورد
رمز بیخودی او مارا بہ فریاد آورد
کوکب عشقش فروزاں ساحل بحرش عریض
موج وی بیتاب در یارا بہ فریاد آورد
دعوتش بانگ اذان است وھمہ از خواب بیدار شد
وی کوش آن اندی کہ دنیا را بہ فریاد آورد
رھبر والا گہر ھمت فزاں آسیا
شیوہ ی از مند گیت ھر جارا بہ فریاد آورد
ملت افغان و پاک و چین ھمہ ممنون تو
طرح و فکر دین ات گیتی را بہ فریاد آورد
لاجورد اندر بدخشان، کشور افغانستان
در دماغ چرخ فردا را بہ فریاد آورد
رمز اقبال رسخیز قل ھو اللہ احد
رھروانش ملک دل ھا را بہ فریاد آورد

رزم و بزم آهینست پرده ی ظلمت درید
ترک و تاتار تو اعدا را به فریاد آورد
آفرین بر طبع والای تو می گوید"ادیب"
نکتهٔ مست تو معنی را به فریاد آورد(۱)

مآخذ

۱ علامه اقبال در ادب فارسی و فرهنگ افغانستان،ص۳۰۳تا۳۰۵

غلام رضا مائل ہروی

جناب میر غلام رضا مائل ہروی ۱۳۰۱ھ ش کو ہرات میں سید قاسم کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی علمی جواہر ریزے ہرات ہی کے علمی و ادبی اور تاریخی مٹی سے چُنے۔ اس کے بعد ۱۳۱۷ھ ش میں دارالمعلمین کابل میں داخلہ لیکر سلسلۂ تعلیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ ۱۳۱۹ھ ش میں افغانستان کے صوبہ فراہ میں بحیثیت سکول استاد تعیناتی عمل میں آئی اس طرح ۱۳۲۱ھ ش میں ہرات اور ۱۳۲۴ھ ش میں لیسہ جامی اور لیسہ سلطان میں خدمات سرانجام دیں۔

۱۳۳۳ھ ش میں کابل کے سکولوں کے مفتش (اڈٹ آفیسر) مقرر ہوئے اس کے بعد افغانستان کے انجمن تاریخ کی عضویت ملی وزارت اطلاعات کے تحت شائع ہونے والے اخبارات و جرائد انیس، آریانا اور کتاب وغیرہ میں بحیثیت مسول مدیر خدمات انجام دیے کچھ عرصہ تک مجلّہ خراسان کے مدیر بھی رہے افغانستان میں جنگ کی وجہ سے ۱۳۶۶ھ ش میں امریکہ چلے گئے عرصہ آٹھ سال بعد اپنے بیٹے نجیب مائل ہروی کی دعوت پر ایران آئے اور یہیں پر مشہد میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ (۱)

ادبیات شناسی، کتاب شناسی اور تاریخ وغیرہ آپ کے موضوعات ہیں۔ جن پر آپ کی نگارشات افغانستان اور ایران میں چھپتی رہیں۔ ایک شعری مجموعہ انجمن نویسند گان کی جانب سے ققنوس کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ (۲) جبکہ دیگر آثار و تالیفات کی تفصیل ذیل ہیں:

۱- معرفی روزنامه ها جراید و مجلّات افغانستان
مطبع دولتی پروان ۱۳۴۱ھ ش صفحات ۱۴۴-

۲- امواج هریوا (مجموعہ اشعار)۔
ادارہ نشریات داخلی مطبوعات مطبع دولتی کابل ۱۳۴۳ھ ش صفحات ۱۸۶

۳- شرح حال و زندگی و مناظرات امام فخرالدین رازیؒ متوفی ۶۰۶ھ در ہرات
ریاست تنویر افکار مطبع دولتی کابل ۱۳۴۳ھ ش صفحات ۳۷۳

۴- فہرست کتب مطبوع افغانستان از سال ۱۳۳۰ھ ش، ۱۳۴۴ھ ش
مدیریت تشویق آثار و ہنر مطبع دولتی کابل ۱۳۴۴ھ ش صفحات ۷۷

۵- امیر حسینی غوری ہرویؒ متوفی ۷۱۸ھ
مدیریت تشویق آثار و ہنر مطبع دولتی کابل ۱۳۴۴ھ ش صفحات ۱۲۴

۶- آئینہ تجلی (منظوم سوال و جواب) مائل ہرویؒ اور صلاح الدین سلجوقیؒ کا مشترکہ کاوش
مدیریت تشویق آثار و ہنر کابل ۱۳۴۴ھ ش صفحات ۱۷

۷- سیاہ مولی لتان مریم (سہ داستان منظوم)
مؤسسہ طبع کتب مطبع دولتی کابل ۱۳۴۹ھ ش صفحات ۳۰

۸- میرزایان برناد (تذکرہ شاعران)
انجمن تاریخ افغانستان کابل ۱۳۴۸ھ ش صفحات ۸۴

۹- تاریخ مختصر سلوک کرت با افسانۂ ہری
مؤسسہ طبع کتب ہرات مطبع دولتی ۱۳۴۹ھ ش صفحات ۳۴

۱۰- راہنمائی تاریخ افغانستان جلد دوم (معرفی ۷۶۵ جلد کتب دربارہ تاریخ افغانستان)
انجمن تاریخ کابل ۱۳۴۹ھ ش صفحات ۱۳۵ (۳)

آپ کا شمار افغانستان کے اقبال شناسوں میں ہوتا ہے۔ آپ کا ایک منظوم فارسی خراج تحسین بعنوان بیاد اقبال اقبال سے آپ کے قلبی تعلق کا آئینہ دار ہے۔ آپ کی نظم حضرت علامہ کے صد سالہ جشنِ ولادت کی تقریبات کے حوالے سے ۱۹۷۷ء میں کابل سے شائع ہوئی۔

"بیادِ اقبال"

شاعر شوریدۂ خود آگہی — آسمان فضل و دانش راہمی
درنیستان دلش سوز نفیر — گرم رہ گرم تپش صاحب ضمیر
دہ کہ دل شد سلسلہ جنبان او — عشق آری عشق شد ایمان او
کیست این شاعر کہ ذوق اور ساست — نالہ اش سوزندہ جانش باصفاست

نام او اقبال و مقبول از نوا
ہست آہنگ کلامش جانفزا

ہمچو رومی مست جام عشق بود — شہپر روحش بدام عشق بود
این یکی نقش خودی درباختہ — وان دگر دربیخودی پر داختہ
صد خمستان نشۂ در صہبای اوست — اینہمہ از عشق بی پروای اوست
خامۂ پرتاب او تابندہ است — آتش دلرابرون افگندہ است

پختہ سوز و پر نوا و درد زا
باتب و تاب خودی بود آشنا

می ندانم عشق جان افروز او — مہرومہ رامیفرو زد سوز او
از جگر تا گوہر ناب آورد — نالہ را از سینہ بیتاب آورد
سوز آہنگ کلامش دلنواز — پردۂ ہر ساز او سینہ گداز
درخلال نغمۂ او شورہا — میجہد از آتش او طور ھا
آتشین شعرش شرر افزابود — ہمچو مژگان بتان گیرابود
بسکہ جولان میکند تاب وتپش — برفروغ افتادہ ماہ بخشش
لالہ از تاب وتبش داغ است داغ — چوں فروز د دردل صحرا چراغ
نغمہ اش جولان درد و آہ بود — از دل خبیر نکو آگاہ بود
من چگویم شوخی مضمون او — از نوای او شرر جانم گرفت
آتشی اندر نیسانم گرفت — از نوای او شرر جانم گرفت

نالہ ہای او سرا پایم بسوخت   در دل پر ذوقم برفروخت
در حق ماحق سرود ار تاب جان   آن بلند آوازۂ آتش بیان
"آسیا یک پیکر آب و گل است
ملت افغان در آں پیکر دل است"(۴)

مأخذات

(۱) آریانا دائرة المعارف، دوره دوم، جلد ۶، د افغانستان اسلامی جمهوریت د علومو اکادمی د دائرہ المعارف ریاست کابل۱۳۹۶ھ ش۲۰۱۷م ص، ۳۸۴

(۲) سیماھاو آوارھا، ص۶۲۴

(۳) مجلّہ آریانا، کابل ستمبر۱۹۷۶ء، ص۹۵ تا ۹۶

(۴) افغانستان و اقبال، ص۷۷ تا ۷۸

قیام الدین خادمؔ

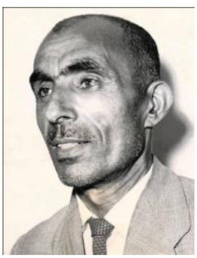

قیام الدین نام خادمؔ تخلص ملا حسام الدین کے فرزند اور ملا علی گل کے پوتے ۱۳۲۵ ھ ق بمطابق ۱۹۰۷ کے میں افغانستان کے صوبہ ننگرہار کت قریہ کامہ میں پیدا ہوئے۔(۱) نسلاً زاخیل مومند تھے اور کونڑ کے اخوند زادہ خاندان سے تعلق تھا۔ یہ خاندان دینی علماء اور دانشوروں کا خاندان ہے۔(۲)

ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ قرآن شریف اور فارسی ادبیات بھی انھیں سے پڑھے۔ پھر کونڑ بوڈیانی، کامہ نعمان، لڑ، موڑی، چپرہار، کنڈی باغ، آگام، خوگیانی، ارغنچ، کیلفو حصارک، حصار شاہی، کابل، پشاور، ملاکنڈ، دہلی اور لودھیانہ کے دینی و مذہبی حلقوں اور مدارس سے مروجہ علوم صرف، نحو، منطق، کلام، حکمت، فقہ، تفسیر، حدیث، مناظرہ، اصولِ فقہ، یونانی طب اور دیگر علوم سیکھے۔ درج بالا مقامات میں حصولِ علم کے لیے مولانا نے پندرہ سال کا عرصہ گزارا۔ کچھ عرصے تک جلال آباد میں تدریس کے شعبے سے منسلک ہوئے۔ پھر پشاور کے لواڑگی میں طلبا کو درس دینے لگے۔ یہاں پر ادبی ذوق اور شاعری نے فروغ پایا۔ ۱۳۱۲ھ ش کے آواخر میں قندھار کی انجمن ادبی پشتو کی رکنیت عطا ہوئی۔

۱۵/ اسد ۱۳۱۴ھ ش کو ''انجمن پشتو'' قندھار سے کابل منتقل ہوئی اور ۱۳۱۵ھ ش میں کابل کی ادبی انجمن سے وابستہ ہوئے۔ اس انجمن سے بعد میں پشتو ٹولنہ بنا تو خادمؔ صاحب پشتو ٹولنہ میں تعلیمی جریدے ''زیرې'' کے مدیر مسؤل مقرر ہوئے۔ ۱۳۴۲ھ ش تک مختلف عہدوں پر رہنے کے بعد افغانستان کے ملی شوریٰ (پارلیمنٹ) کے سینئر ممبر منتخب ہوئے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ عرصہ تک اپنا ایک رسالہ افغان اولس بھی جاری کیا۔ خادم نے ویش زلمیان کے قیام اور اس کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ (۳)

جناب قیام الدین خادمؔ نے بروز سوموار ۵ شوال ۱۳۹۹ھ ق بمطابق ۵ سنبلہ ۱۳۵۸ھ ش بمطابق ۲۱ اگست ۱۹۷۹ء کو کابل کے علی آباد ہسپتال میں وفات پائی۔ ننگرہار کے کامہ میں اپنے آبائی گاوں میں سپردِ خاک ہوئے۔ (۴)

خادمؔ صاحب کا شمار پشتو کے چند اہم شعراء و ادباء میں ہوتا ہے۔ آپ عربی اور اردو بھی جانتے تھے۔ جبکہ پشتو و فارسی میں نظم و نثر لکھتے رہے اور تراجم کرتے رہے۔ پشتو فارسی اور عربی میں آپ کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ آثار و تالیفات کی فہرست خاصی طویل ہے۔ (۵)

قیام الدین خادمؔ افغانستان کے پائے کے اقبال شناس تھے۔ چونکہ خادمؔ صاحب کافی عرصے تک لنڈی کوتل میں رہے تھے اس لیے اردو سے شناسائی رکھتے تھے اور فارسی کے ساتھ ساتھ حضرت علامہ کے اردو کلام سے براہِ راست مستفید ہو سکتے تھے۔

چنانچہ آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ نے حضرت علامہ کی حیات ہی میں کلامِ اقبال کے منظوم تراجم کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ چنانچہ مجلّہ کابل جنوری فروری ۱۹۳۷ء کے شمارے میں حضرت علامہ کے پیام مشرق کی نظم ''زندگی'' کا منظوم پشتو ترجمہ شائع کرایا۔

وریځې دسپرلی وه شپه ډېرې او ښکې توې کړې
دغه دې ژوندون تمام عمر په ژړا
داسې ګړندې بریښنا په منډه ورته ووئیل
زه یې بولمه په نیمه خوله خندا
دا خبره خدای زده چا په خوا کښې وکړله
دغې مجلس د ګل د پرخې و سبا (۶)

قیام الدین خادم کے کلام میں جابجا کلام اقبال کے منظوم تراجم ملتے ہیں:

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہے ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا (۷)

کا منظوم پشتو ترجمہ ملا محمد شریف جانان کاکڑ قندھاری نے بہار جاناں میں محفوظ کیا ہے۔(۸)

قیام الدین خادمؔ نے مجلّہ کابل میں ۱۳۱۸ھ ش / ۱۹۳۹ء کے شمارے میں ڈاکٹر سید عابد حسین کے اردو مقالے کا فارسی میں ترجمہ ''خودی در نظر اقبال'' شائع کرایا۔(۹)

قیام الدین خادمؔ کے اپنے فن پر اقبال کے اثرات مرتب ہونا فطری عمل تھا چنانچہ سالنامہ کابل ۳۸-۱۳۳۹ھ ش کے ایک مقالے میں اس حقیقت کا اظہار برملا کیا گیا ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے خادمؔ کے فن و شخصیت پر اقبال کے اثرات اور منظوماتِ اقبال کے تراجم کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

خادم هم د ټاګور او اقبال د آثار و ځخه ډېر سخت متاثر دي یوښائست زیاتی ترجمې يې هم د دوی د آثار و ځخه کړی دی۔(۱۰)

آپ نے ۱۹۳۸ء میں حضرت علامہ کی وفات پر پشتو میں ایک دلکش مرثیہ تحریر کیا جو مجلّہ کابل کے خصوصی اقبال نمبر مئی / جون ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔

د اقبال په وفات

ځنګه په مشرق نن د رنړا و تیرې جنګ دی
ولې د فلك ګریوان په وینو باندې رنګ دی
غلی په طلسم د تیری دی هر بلبل د باغ
زړه د هر انسان لکه غوټۍ له غمه تنګ دی
نشته دی نغمې د زرکو چیري په راغونو کښې
نه د چاپه غوږ کښې د نسیم د رباب شرنګ دی
لکه بې اسرې چې هر یو ژاړی پټ له ځان سره
ستوری د مشرق هر یوه پری ایښی د بل ځنګ دی
ډوب په آه و واه کښې لمر خاته دی سر تر پایه اوس
پروت په هر زړه باندې د لوی بارد تیری زنګ دی
ځکه چې لویدلی د مشرق لمر د اقبال دی

خړ آسمان د فن و د ادب او د کمال دی
ای اقباله ستا په غم کښې ژاړي مسلمان ټول
چین تر شام و رومه ترکیه هند و افغان ټول
ته تمامی عمر ژړیدلی د امت په غم
ځکه دی قومونه ستا په تلو باندی ګریان ټول
مړاوی لاله زار دي د خلیل تازه په اوښکو کړو
مه اوچوه سترګې چي اوچ نه شی ګلان ټول
بیا دي هیر سبق امت یاد به زیر و زور کړو
ودي ښوده دوی ته محکمات د ښه قرآن ټول
پیتې وو درانه او منزلګاه لری بیحده وه
ستا و دې نغمو ته دمه لودی که کاروان ټول
پاتی چې سید شبلی حالی څخه وه لاره کښې
تا هغه بارونه کړه اوچت په یوه ځان ټول
مخ کې لرې مزل دی چي یی پرې نه ږدی په لار کښې
داسې لار باندي هیڅوك نشته په قطار کښې
تاچی مخ کړو پټ او په خندا لاړی مولا لره
اوس به نور رهبر د خودی څوك شی ایشیا لره
پورته د کوشش په نغمه سترې د تقدیر کړه
دا قدرت درکړی دی خاوند یواځې تا لره
نن له بغاوت د عقله ویره په حرم کښې ده
جنګ د ولایت د عشقه فوج که دی بلا لره
شعر و فلسفه تاریخ دی ګډ کړه په حکمت سره
جوړه دې نسخه کړه ترینه ملتِ بیضا لره
ای د ژوند حکیمه زړه دې ډك وو د بشر په غم

تا پیام راوړې تمامی واړه دنیا لره
شرق و غرب دې مخکښې دیوې منډې میدان وو
ځکه دې نظر تل په حصار د کهکشان وو[۱۱]

ترجمہ: مشرق پر آج کیونکر اندھیرے اور اجالے کی جنگ ہے، آج کیونکر فلک کا گریباں خون سے تر ہے۔

باغ کی ہر بلبل ظلم کے طلسم سے پریشان ہے، ہر انسان کا دل کلی کی طرح غم سے تنگ ہے۔

باغوں میں چکوروں کے نغمے کہاں ہیں۔ نہ کسی کے کان میں نسیم کے رباب کا سُر ہے۔

ہر ایک تنہائی میں اپنے ساتھ رو رہا ہے، مشرق کے ستاروں نے ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔

مشرق آہ وفغان سے دوچار ہے۔ ہر دل پر اندھیرے کا رنگ لگا ہوا ہے۔

اس لیے کہ مشرق کے اقبال کا آفتاب غروب ہو گیا ہے۔ علم و فن و ادب کا آسمان پھیکا سا ہے۔

اے اقبال تیرے غم میں ساری ملت رو رہی ہے۔ چین و شام و روم، ترکی، ہندوستان و افغان سب محو غم ہیں۔

تو تمام عمر ملت کے غم میں رویا اسی لیے تمام اقوام تیرے غم میں نوحہ خواں ہیں۔

تو نے مرجھائے ہوئے لالہ زار خلیل کو آنسوؤں سے تر کیا۔ آنکھوں کو تر رہنے دے ایسا نہ ہو کہ یہ پھول مرجھا جائے۔

پھر ملت کو زیر وزبر سے سبق دیرینہ یاد دلا اور ان کو قرآنی محکمات سے آگاہ کر۔

ان کے بوجھ زیادہ تھے اور منزل بھی دور تھی۔ مگر تیرے نغمات نے انھیں تازہ دم رکھا۔ جو سر سید شبلی اور حالیؔ سے رہ گیا تو نے وہی بوجھ اکیلے اٹھایا۔

آگے تھوڑا سا فاصلہ ہے اس کو راستے میں نہ چھوڑ، ان راہوں سے آشنا اور کوئی دوسرا امیر کاروان نہیں ہے۔

تو نے جب چہرہ ڈھانپا اور مسرور ہو کر پروردگار سے ملا اب خودی کا رہبر ایشیا کے لیے کون ہو گا۔ اُٹھا دو نغمہ کوشش سے تقدیر کے تھکے ہوؤں کو، پروردگار نے یہ صلاحیت فقط تجھے بخشی ہے۔ آج بغاوتِ عقل سے حرم کے لیے ڈر ہے۔ ولایت سے عشق کی طرف فوج کو گامزن

کر۔ تو نے شعر، فلسفہ اور تاریخ کو حکمت سے یکجا کیا اور ملت کے لیے نسخہ بنایا۔ اے حکیم حیات تو نے سارے جہاں کو پیغامِ نو عطا کیا۔ شرق و غرب تیرے سامنے ایک میدان تھا اسی لیے تیری نظر کا حصار کہکشاں پر تھا۔

مآخذات

(۱) آریانا دائرۃ المعارف، دورہ دوم، جلد ۳ د افغانستان اسلامی جمہوریت د علوم و اکادمی د دائرہ المعارف ریاست کابل ۱۳۸۹ھ ش، ۲۰۱۰ء، ص ۴۱۵

(۲) پښتانہ شعرا، جلد ۵، ص ۲۶۹

(۳) ایضاً، جلد ۵، ص ۲۷۱

(۴) ویاړلی، ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی، جلد ۳، د افغانستان ملی تحریک و ڈاکٹر رفیقی سیڑ نیز مرکز کوئٹہ ۲۰۱۷ء، ص ۱۲۸۶، ۱۲۹۰

(۵) پښتانہ شعرا، ص ۲۷۲ تا ۲۷۴

(۶) مجلہ کابل جنوری فروری ۱۹۳۷ء، ص ۱۰۸۹

(۷) بانگ درا، علامہ محمد اقبال، مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۲۰۱۸ء، ص ۱۸۶

(۸) بہار جاناں، قلمی، ص ۱۴۷

(۹) مجلہ کابل، ستمبر اکتوبر ۱۹۳۹ء، ص ۲۲ تا ۳۹

(۱۰) د افغانستان کالنی، ۳۸- ۱۳۳۹ھ ش، ص ۴۶۲

(۱۱) مجلہ کابل، مئی جون ۱۹۳۸ ص ۹۲-۹۳

گل باچا الفتؔ

گل باچا الفتؔ پشتو ادب کی مشہور و معروف ادبی شخصیت ہیں۔ آپ کے والد کا نام میر سید باچا اور دادا کا نام سید فقیر باچا تھا۔ نسلاً سید پٹھان تھے۔ (۱)

عبد الرؤف بینواؔ نے آپ کا سن پیدائش ۱۲۸۷ھ ش لکھا ہے جبکہ پشتانہ شعرا میں سر محقق عبد اللہ بختانیؔ خدمتگار نے آپ کا سن پیدائش ۱۲۸۸ھش / ۱۹۰۹ء لکھا ہے۔ (۲)

آپ لغمان کے عزیز خان کچ میں پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کے دوران مروجہ علوم صرف، نحو، منطق، معانی، فقہ، تفسیر اور حدیث ننگرہار اور کابل کے مشہور اساتذہ سے پڑھے۔ جناب بختانیؔ نے آپ کی زندگی کے مختلف ادوار کا جائزہ لیا ہے:

۱۳۱۴ھ ش: روزنامہ انیس کابل میں کاتب مقرر ہوئے۔

۱۳۱۵ھ ش: انجمن ادبی کابل کی رکن بنے۔

۱۳۱۶ھ ش: انجمن ادبی کابل کی رکنیت کے ساتھ زیری مجلّہ کے ادارے سے منسلک رہے۔

۱۳۱۸ھ ش: پشتوٹولنہ کے مدیر صحافت کے معاون رہے۔

۱۳۱۹ھ ش: پشتوٹولنہ کے شعبہ لغات و قواعد میں مدیر کی حیثیت سے تقرری۔

۱۳۲۰ھ ش: روزنامہ اصلاح کابل کے مشاور اور مجلّہ کابل کے مدیر مسؤل رہے۔

۱۳۲۵ھ ش: اتحاد مشرقی ننگرہار کے جریدے کے مدیر مسؤل۔

۱۳۲۷ھ ش: ننگرہار میں قبائل کے عمومی مدیر بنے۔

۱۳۲۸ھ ش: جلال آباد کے شہریوں کی جانب سے ملی شوریٰ (پارلیمنٹ) کے رکن بنے۔

۱۳۳۱ھ ش: لغمان کے قرغی باشندوں کی جانب سے جرگہ کے نمائندہ منتخب ہوئے۔
۱۳۳۴ھ ش: جلال آباد کے باشندوں کی جانب سے لوئ جرگہ کے نمائندہ منتخب ہوئے۔
۱۳۳۵ھ ش: پشتو ٹولنہ کے رئیس۔ وزارت تعلیم میں رکن کی حیثیت سے انتخاب اور کابل یونیورسٹی کے حقوق وادبیات کے شعبہ میں استاد کی حیثیت سے تقرری۔
۱۳۳۸ھ ش: افغان شوروی دوستی کی انجمن کی تاسیس کے ساتھ ہی اس انجمن کے رئیس منتخب ہوئے۔
۱۳۴۰ھ ش: جوزا کے شروع سے ۱۳۴۲ھ ش عقرب کے اواخر تک ویش زلمیان کے نشراتی ارکان اولس جریدے کے اعزازی سربراہ رہے۔
۱۳۴۲ھ ش: قبائل کے مستقل رئیس کی حیثیت سے کابینہ کے رکن بنے۔
۱۳۴۴ھ ش: جلال آباد کے عوام کی جانب سے اولسی جرگہ کے بارہویں دور کے لیے وکیل منتخب ہوئے۔ وکالت کے چار سالہ عرصے کے بعد ریٹائرڈ ہوئے۔[۳]

۱۳۵۶ھ ش ۲۸ قوس - ۱۸/ دسمبر ۱۹۷۷ء کو جناب گل باچا الفتؒ وفات پاگئے۔ عین اس وقت رحلت فرمائی جب حضرت علامہ کے صد سالہ جشنِ ولادت کی تقریبات منعقد کی جارہی تھیں۔ آپ جلال آباد کی شاہراہ کابل جی ٹی روڈ کی جنوبی جانب دفن کیے گئے۔[۴]

گل باچا الفتؒ کے آثار و تالیفات درج ذیل ہیں:

الف: مطبوعہ:

۱- د پسرلی نغمه
۲- بله دیوه
۳- لغوی خیړنه
۴- پښتو سندرې
۵- عالی افکار
۶- څه لیکل یا لیك پوهنه
۷- ادبی بحثونه
۸- پښتو کلی جلد۵
۹- د آزادۍ پیغام
۱۰- غوره اشعار
۱۱- لوړ خیالونه او ژور فکرونه
۱۲- منطق
۱۳- غوره نثرونه
۱۴- د زړه دنیا

ب: غیر مطبوعہ:

۱- نوې څرك ۲- ښه لمسون

۳- نوې سبك ۴- اجتماعی نظریات

۵- څه کورم او څه آورم ۶- وټولنی علم(ترجمہ) (۵)

گل باچا الفتؔ افغانستان کے پشتون اقبال شناس تھے۔ آپ نے اپریل ۱۹۳۸ء میں حضرت علامہ کا پشتو مرثیہ لکھا جس سے آپ کی اقبال شناسی جھلکتی ہے:

د اقبال ویر

د ادب په مانی ولویده غدی نن
د اقبال له سره پریوته خولۍ نن

نن په شرق د مصیبت بلا راغلی د ادب په باغ و بن وشوه ږلۍ نن
فلك بیا په زړونو کښیښوه داغونه بیا هر چا په زړه خوړلی ده گولۍ نن
په مرور د زمانی به هضم نه شی چې له دې غمه چا کړی ده مرۍ نن

د اقبال غم ربوی نن هغه زړونه
چې به ځائ په ځائ ولاړ وو لکه غرونه

اقبال ځوك وو فیلسوف و ناز کخیال د ادب سرمایه ټوله د ده مال
تیز قلم یی لکه توپ و تیره توره مقابل کښې هیڅ نه وو سپر و ډال
زمانه به په هیڅ طور پیدا نه کړي د ادب په مملکت کښې د ده سیال
د خپل قرن په جبین باندې یې کېښود د تفضیل او سرلوړۍ ښه ښکلی خال

د دنیا په سرای کی دی نه ځائیدلو
له ناکامه یې قصد وکو د وتلو

اقبال ولاړ وینا یې پاته په غوږو کښې محبت د اقبال شته د خلکو زړو کښې
د اقبال د ږغ اثر دی پاته شوی د هر ملك او هر وطن بیدار مغزو کښې
اقبال مړه زړونه په خپل آواز ژوندی کړل ځوك شمیرلی شی اقبال په جم دمړو کښې

اقبال مونږته ښه غذا د روح پرې ایښی په ښائسته ښائسته خوږوخوږونغمو کښې

ربه ته ئی جنتونه په نصیب کړې

واړه سعی ته مقبول ددې ادیب کړې (۲)

ترجمہ: ایوانِ ادب پرڈاکہ ڈالا گیاجب اقبال کے سر سے ٹوپی گر گئی۔
آج مشرق پر مصیبت کا سیلاب آیاہے، ادب کے باغ و گلشن پر ژالہ باری ہوئی ہے۔
فلک نے آج پھر دلوں کو داغ دیے۔ پھر ہر سینے پر گولی لگی ہے۔ ایسی گولی کا زخم زمانہ گزرنے سے بھی مندمل نہیں ہو گا۔
آج جس نے اس دستر خوانِ غم سے کھانا کھایاوہ زمانے گذرنے کے بعد بھی بغیر نہیں کر سکے گا۔ اقبال کے غم نے آج ان دلوں کو ہلا دیا ہے جو اپنی جگہوں پر ہمیشہ پہاڑ کی مانند مستحکم قائم رہے۔
اقبال کون تھے؟ ایک نازک خیال اور فلسفی تھے، سرمایۂ ادب ان کا مال تھا۔
ان کے قلم کی دھار تلوار اور توپ کی مانند تھی جس کے آگے زمانے کی کسی ڈھال کی حیثیت نہیں تھی۔
زمانہ کبھی بھی ادب کی مملکت میں ان کا ہمسر پیدا نہیں کر سکے گا۔
اپنے قرن کے جبین پر فضیلت فخر اور اعزاز کا دستار رکھا۔
اس فانی دنیا کے مکان میں نہیں سما سکے تب انھوں نے مجبوراً دائمی جہاں کا رخ کیا۔
اقبال چلے گئے لیکن ان کے فرمودات تاابد رہیں گے۔ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت گھر کر گئی ہے۔ اقبال کی آواز کا اثر ہر مملکت کے بیدار و روشن دماغوں میں تاابد رہے گا۔ کیونکہ اقبال ہی نے اپنی صدا سے مردہ دلوں کو حیات عطا کی تھی بھلا کون اقبال کو مردوں میں شمار کرے گا۔
اقبال نے ہمارے لیے پُر لطف نظموں اور پر کیف نغموں کے ذریعے روح کی بہترین غذا مہیا کی ہے۔ اے پروردگار تو انھیں جنت عطا فرما اور اس ادیب و مفکر کی تمام سعی کو مشکور فرما۔

مأخذات

(۱) اوسنی لیکوال، جلد ۱، ص ۹۱

(۲) پښتانه شعرا، جلد ۵، ص ۲۳۸

(۳) ایضاً، ص ۲۳۸ تا ۲۴۰

(۴) ایضاً، ص ۲۳۸

(۵) ویاړلی، ڈاکٹر عبدالروف رفیقی جلد اول د افغانستان ملی تحریک و ڈاکٹر رفیقی سیړ نیز مرکز کوئٹہ ۲۰۱۷م ص ۴۶۵، ۴۷۳

(۶) مجلہ کابل، مئی جون ۱۹۳۸ء، ص ۹۱–۹۲

محمد ابراہیم خلیلؔ

افغانستان کے معروف شاعر ادیب اور خطاط جناب محمد ابراہیم خلیل میرزا فضل احمد بن میرزا محمد جان کے گھر گذر قاضی فیض اللہ خان کابل۵ شعبان المعظم۱۳۱۴ ھ ق میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تحصیلات کے حصول کے بعد والد سے خطِ نستعلیق، خطِ شکستہ، محاسبہ اور اصولِ دفتر داری سیکھے۔(۱)

آپ نے افغانستان میں اپنے دور کے مشہور خطاط محمد صدیق دولتشاہی ھروی سے خطاطی سیکھی اپنے والد محترم کی مسلسل حوصلہ افزائی اور تحریک کی بنا پر شعر گوئی اور خطاطی میں خصوصی دلچسپی لینا شروع کیا اور کوئی سولہ عدد آثار خط نستعلیق اور خط شکستہ میں یادگار چھوڑے ہیں۔(۲)

۱۳۳۷ھ ق،۱۹۱۹،۹۸،۱۲۹۷ھ ش افغانستان نے انگریزوں کی تسلط سے مستقل نکل کر باقاعدہ استقلال کا اعلان کیا۔(۳) ابراہیم خلیل نے انہی ایام میں سرکاری ملازمت اختیار کی۔ وزارت خارجہ میں کاتب مقرر ہوتے ہیں کچھ عرصہ تک ہندوستان میں افغانستان کے کونسل جنرل کی حیثیت سے متعین ہوتے ہیں اوراس کے بعد انگلستان میں افغان سفارتخانے کے سیکرٹری رہے۔(۴)

سفارتی عہدوں کے بعد وطن واپسی پر شاہی حرم سرا میں انتظامی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران دوبارہ صرف، نحو، بیان، فقہ اور تفسیر وغیرہ پڑھے۔ غازی امان اللہ خان کے دورہ یورپ کے دوران آپ ملکہ ثریا کے منشی اور شہزادہ رحمت اللہ کے استاد کی حیثیت سے ان کے ہمرکاب رہے۔ یورپ سے واپسی پر افغانستان میں سقوی انقلاب برپا ہوا۔(۵)

اس دوران آپ گھر پر رہے۔ ۱۳۰۸ھ ش میں اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ کے دورِ حکومت میں کچھ عرصہ کے لیے ہرات کی ریاست تنظیمہ کے محاسبہ مدیر مقرر ہوئے۔ ۱۳۱۲ھ ش میں سہامی شرکت کے قیام کے وقت اس کی ادارت سے منسلک ہوئے۔ یہاں سے غازی امان اللہ خان کے ساتھ تعلقات کی پاداش میں جیل بھیجے گئے۔ یہاں جیل میں بھی علم و فن سے وابستہ رہے اور ۱۳۲۰ھ ش میں جیل سے رہائی ملی۔[۶] ۱۳۲۱ھ ش میں انجمن تاریخ کے ممبر بنے اور ۱۳۲۹ھ ش میں مجلّہ "آریانا" کے مدیر اور بعد میں انجمن تاریخ کی ریاست کے معاون رہے۔ ۱۳۳۹ھ ش میں ریٹائر ہوئے۔

سیما ہا و آوارھا میں آپ کے ذیل آثار و تالیفات کا حوالہ دیا گیا ہے:

۱- کلیات اشعار
۲- مزارات کابل
۳- مزارات بلخ
۴- حالات سلطان ابراہیم ادھم
۵- شرح حال امیر خسرو دہلویؒ [۷]

آپ کے متذکرہ بالا آثار کے علاوہ مشاہیر افغانستان میں درج ذیل آثار کا بھی پتا چلتا ہے:

۱- شرح حال شیخ سعد الدین انصاری۔
۲- رساله در فن استخراج تاریخ درنظم۔
۳- رہنمائی حج۔
۴- رساله عروج و نزول اسلام۔
۵- رساله رہنمائی خط۔ [۸]

ان آثار میں ذیل زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے ہیں:

الف): منثور آثار:

۱- یکمرد بزرگ حاوی شرح حال شیخ سعد الدین احمد انصاری مشہور بہ حاجی صاحب پاینمار

انجمن تاریخ وزارت معارف کابل ۱۳۳۶ھ ش۔

۲- استخراج تاریخ درنظم
انجمن تاریخ وزارت معارف کابل ۱۳۳۷ھ ش۔

۳- مزارات کابل
وزارت معارف کابل ۱۳۳۸ھ ش۔

۴- شرح حال و آثار امیر خسرو
ریاست مستقل مطبوعات کابل ۱۳۴۹ھ ش۔

ب): منظوم آثار:

۱- رباعیات
۱۳۲۹ھ ش میں روزنامہ انیس کابل کے متعدد شماروں میں شائع ہوئے۔ جن کو بعد میں عبدالشکور حمید زادہ نے مرتب کر کے اپنی کتابت سے ۱۳۳۶ھ ش میں شائع کرایا۔

۲- رسالہ عروج و زوال اسلام
ریاست مستقل مطبوعات کابل کی جانب سے ۱۳۳۲ھ ش میں ان کی اپنی خطاطی سے شائع ہوا۔ بعد میں دوبارہ ۱۳۳۴ھ ش میں شائع ہوا۔ (۹)

ابراہیم خلیل کے فن و شخصیت سے متعلق بھی ہمیں مختلف آثار ملتے ہیں جن میں دو زیادہ مشہور ہیں۔

۱- اختصار منتجنی از آثار خلیل۔ مختلف رسالوں اور اخبارات میں ایک ایرانی سکالر نے ۱۳۳۱ھ ش میں شائع کرایا۔

۲- گلچین از آثار و شرح حال محمد ابراہیم خلیل۔ جو پہلی بار ۱۳۳۴ھ ش میں عبدالشکور حمید زادہ اور دوسری بار عتیق اللہ خواجہ زادہ کی کوششوں سے ۱۳۴۱ھ ش میں شائع ہوئی۔

محمد ابراہیم خلیل نے نو بار سفر حج کی سعادت حاصل کی تھی جبکہ افغانستان سے باہر پشاور، لاہور، لودیانہ، سرہند، دھلی، بمبئی، چمن اجمیر، کوئٹہ، مصر، لندن، پیرس، اٹلی، سویزرلینڈ وغیرہ کے سفر کیے تھے۔ (۱۰)

آپ شاعر، ادیب اور خطاط تھے۔ چنانچہ حضرت علامہ کے قریبی دوست علامہ صلاح الدین سلجوقیؒ استاد ابراہیم خلیل کے فن و شخصیت سے متعلق رقم طراز ہیں:

طبع توانا و شیوا قلم مشکین رقمش را باید تہنیت گفت کہ بھار قشنگ جوانی را بجز ان رساند کہ زیباتر و پر زور تر است وزر و سیم را کہ نتوانست با او ہمراہی کند بجواہری منکشف ساخت کہ بجا ویرانی سرمایۂ ضمیرش و پیرایۂ روح است۔ (۱۱)

اسی طرح افغانستان میں عاشقِ اقبال استاد خلیل اللہ خلیلی اور سفر افغانستان کے دوران حضرت علامہ کے ہمرکاب سرور خان گویاؔ استاد ابراہیم خلیل پر ایک تقریظ میں لکھتے ہیں:

مجموعۂ نغز رباعیات شیوای استاد محترم محمد ابراہیم خلیل رابخط دلکش ایسان زیارت کردیم شاعر بزرگوار چنانچہ شائستہ استعداد طبع موھوب ایشان است درین مجموعہ مضامین لطیف را در قالب سخنان دلکش پرورده و بائدوین این مجموعہ ارمغان دلپذیر باریاب ذوق تقدیم داشتہ بر کلک گہر نگارش آفرین میخوانیم۔ (۱۲)

استاد ابراہیم خلیل سنِ پیری کی وجہ سے آخر عمر میں بینائی سے محروم ہوگئے تھے۔ چونکہ حافظ قرآن بھی تھے اسی لیے زیادہ تر تلاوتِ قرآنِ پاک ہی میں مصروف رہتے۔ آخر ۱۷ میزان ۱۳۶۷ھ ش کو کابل میں وفات پائی اور وہاں شہدائے صالحین کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ (۱۳)

ابراہیم خلیل کا شمار بھی افغانستان میں اقبال شناسی کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ چونکہ فرمانروائے افغانستان اعلی حضر تغازی امان اللہ خان سے حضرت علامہ کے خصوصی مراسم تھے (۱۴) اور حضرت علامہ محمد اقبال امان اللہ خان کے اتنے عقیدت مند تھے کہ وہ انگریزوں کے تسلط سے مسلمانان ہند کا نجات دہندہ اعلیحضرت امان اللہ خان ہی کو سمجھتے تھے چنانچہ اپنے مشہور و معروف پیام مشرق کا انتساب بھیاعلیحضرت امان اللہ خان کے نام کیاہے (۱۵) اس نسبت سے امان اللہ خان کے خلوت و جلوت میں اقبال کے فن و شخصیت کے

چرچے جاری رہتے تھے تو یہ ایک فطری امر ہے کہ دورہ یورپ کے دوران اعلیحضرت امان اللہ خان کے ملکہ ثریا اور ان کے بیٹے شہزادہ رحمت اللہ کے استاد ابراہیم خلیل بھی اقبال کے فن و فکر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے جب ہم حافظ ابراہیم خلیل کے کلام کا بنظر عمق مطالعہ کرتے ہیں تو آسانی سے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ خلیل فکری اعتبار سے حضرت علامہ سے کافی متاثر دکھائی دیتے ہیں۔

۱۳۳۱ھ ش میں ابراہیم خلیل نے حضرت علامہ کے حضور جو فارسی خراجِ تحسین پیش کیا تھا وہ حضرت علامہ سے ان کی قلبی تعلق کا آئینہ دار ہے۔

بہ یاد علامہ اقبال

بیار بادہ کہ محفل بنام اقبال است
بنام روز جہاں احتشام اقبال است

چہ بادہ بادۂ پرزور عشق آزادی
کہ وصف آن ہمہ جادو کلام اقبال است

پیالہ گیر کہ تبلیغ دین و حریت
بہ قلقل لب مینا و جام اقبال است

بیا کہ ملت اسلام و کافۂ مشرق
رہین نشۂ جام مدام اقبال است

بیا کہ دوستی قوم و ملت کہسار
بہر نکات و حروف پیامِ اقبال است

بیا کہ خطۂ ماقلب آسیا موسوم
بسلک نظم حقیقت نظام اقبال است

خطاب ملت پشتون عقاب روئین چنگ
زفکر صائب و عقل تمام اقبال است

بہوش باش کہ غصب حقوق ہر قومی
خلاف رای صواب التزام اقبال است

بیا کہ ملت پشتون و ہند وپاکستان
اسیر غیر نبودن مرام اقبال است

بیا کہ بادہ عرفان و گردش ایام
کنون بنزد حقیقت یکام اقبال است

بیا بیا کہ زبوی گل بہار مراد
بچار فصل معطر مشام اقبال است

بیا کہ فلسفہ و منطق و سخندانی
بہر ک از اثر اش بدام اقبال است

زمہر تا بلحد خوب گفت وخوب نوشت
کہ آنہمہ بجہان فیض عام اقبال است

بیا کہ گرچہ تہٴ خاک رفتہ بر سر خاک
بہر کجا سخن از احترام اقبال است

بقول خواجہ بغحوای حکم زندہ دلی
رقم بصفحۂ عالم دوام اقبال است

خطا بود کہ خطا ہش کینم لاہوری　　　　کہ قلب مردم عارف مقام اقبال است

در اختتام ہدایای مغفرت ز خلیل
بجسم نامی و جان گرام اقبال است[۱۶]

مآخذات

(۱) سیماھا و آوارھا، ص۲۶۸
(۲) آریانا دائرۃ المعارف، دورہ دوم، جلد ۳، د افغانستان اسلامی جمہوریت د علومو اکادمی د دائرہ المعارف ریاست کابل ۱۳۸۹ھ ش ۲۰۱۰ء، ص۴۹۹، ۵۰۰
(۳) د افغانستان پیبنلیك، ص۲۳۰
(۴) آریانا دائرۃ المعارف، دورہ دوم، جلد ۳، ص۴۱۵
(۵) گلچین از آثار و شرح حال محمد ابراہیم خلیل، ص۱۱
(۶) د افغانستان مشاهیر، جلد ۳، ص۴۴
(۷) سیماھا و آوارھا، ص۲۶۸
(۸) د افغانستان مشاهیر، جلد ۳، ص۴۵
(۹) گلچین از آثار و شرح حال محمد ابراہیم خلیل، ص۱۸
(۱۰) ایضاً، ص۲۰
(۱۱) ایضاً، ص۲۳
(۱۲) ایضاً، ص۲۴
(۱۳) د افغانستان مشاهیر، جلد ۳، ص۴۶
(۱۴) رجوع کریں مقالہ اقبال اور غازی امان اللہ خان از ڈاکٹر عبد الروف رفیقی مطبوعہ مجلّہ اقبال بزم اقبال لاہور اپریل تا جون ۲۰۰۶، ص۷۱ تا ۸۴
(۱۵) پیام مشرق، ص۱۰ تا ۲۱
(۱۶) پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې، ص۹۷

محمد افسر رہبین

جناب محمد افسر رہبین کا شمار افغانستان کے مقتدر معاصر اقبال شناسوں میں ہوتا ہے آپ ۱۹۵۸ء میں کابل کے نزدیک بگرام میں پیدا ہوئے ۱۳۵۸ھ ش کو کابل کے انستیتوٹ ادارہ صنعت سے فارغ ہونے کے بعد افغانستان کے وزارت اطلاعات و فرھنگ سے وابستہ ہوئے اور اس وزارت کے مختلف شعبوں میں ڈائریکٹر جنرل کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے ۲۰۰۵ء تا ۲۰۰۸ء دہلی میں افغانستان کے سفارت خانے میں فرہنگی آتشہ کی حیثیت سے خدمات سر انجام دیے ۲۰۱۴ء سے ۲۰۱۵ء تک اسی پوسٹ پر تہران میں تعیناتی رہی۔

گذشتہ چہار دہائیوں سے افغانستان مین جاری جنگ کے دوران انتہائی مشکلات کے باوجود بھی ہجرت نہیں کی حالانکہ ۱۹۸۸م میں اپنے بعض شعری تخلیقات کی پاداش میں کیمونسٹ رژیم کی طرف سے جیل کی صعوبتیں بھی سہیں۔

آپ کے والد محترم جناب مرزا محمد اصغر بھی شعر و ادب سے انتہائی شغف رکھتے تھے ان ہی کے توسط سے آپ کی رسائی حافظ و رومی اور اردو ادبیات تک ہوئی- شمع دہلی اور آج کل جرائد کے ذریعے اردو زبان میں مہارت حاصل کی۔ غالب، اکبر الہٰ آبادی، فیض احمد فیض، داغ، میر اور احمد فراز کا خوب مطالعہ کیا دہلی میں تعیناتی کے دوران ایوان غالب، غالب اکادمی او اردو زبان کی فروغ کے دیگر ادارون اور پاک و ہند کے علمی زعما سے اردو دانی کی ذوق کے جلا ملی ان زعما میں ندا فاضلی، شہریار، جاوید اختر، منور رانا اور راحت اندوری وغیرہ شامل تھے تہران میں جناب رھبین کی تعیناتی کے دوران افتخار عارف بھی

تہران ہی میں ای سی ای کے صدر رتھے ۲۰۰۶ میں ایوان غالب کی سیمینار میں حافظ و غالب پر اردو میں مقالہ پیش کیا اس کے بعد اردو میں بیدل پر کئی مقالات تحریر کیے۔

اردو زبان میں جناب افسر رھبین کے مطبوعہ و غیر مبوعہ آثار کی تفصیل ذیل ہے:

- زخم (پہلا شعری مجموعہ) مطبوعہ کابل۱۳۸۹ھ ش
- شاعران فارسی سرا در ہند از سلمان رضوی (افارسی ترجمہ) مطبوعہ ۱۳۸۹ھ ش
- غریب نواز (سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتی) مطبوعہ کابل ۱۳۸۹ ھ ش
- غبار خاطر (فارسی ترجمہ) مطبوعہ کابل ۱۳۹۲ھ ش
- یاد گار غالب از الطاف حسین حالی (فارسی ترجمہ) غیر مطبوعہ
- دیوان باہو (فارسی سے اردو و پشتو تراجم) غیر مطبوعہ
- ابتدامے عشق (دوسرا اردو شعری مجموعہ) غیر مطبوعہ

یہ کیسے ممکن ہے کہ رھبین جیسا دانا، بینا اور بصیر شخصیت اقبال جیسے ہستی سے بے خبر رہے چنانچہ اقبال کا نہ صرف مطالعہ کیا بلکہ ان کے فن و فکر سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کے اردو کلام کے منظوم فارسی تراجم بھی کیے اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت علامہ کے ضرب کلیم کا فارسی منظوم ترجمہ کیا اور اسے ادارہ انتشارات ققنوس سے ۱۳۹۴ھ ش میں شائع کرایا اس اشاعت میں رھبین نے ایک صفحہ پر علامہ کے اردو کلام اواس کے مد مقابل فارسی منظوم ترجمے کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے کتاب کا تعارف افتخار عارف صاحب نے لکھا ہے جبکہ رھبین نے ۱۶ صفحات پر مشتمل پیش لفظ میں علامہ کے فن و فکر پر سیر حاصل گفتگو کی ہے ۴۲۴ صفحات پر مشتمل ضرب کلیم کے اس فارسی منظوم ترجمے کی طباعت میں ہر طرح سے اعلیٰ معیار کا خیال رکھا گیا ہے:

جناب رھبین نے ضرب کلیم کے ساتھ ساتھ بال جبریل کا منظوم فارسی ترجمہ کر کے شائع کیا ہے اس کے ساتھ راھبین نے بانگ درا اور ارمغان حجاز کے بھی فارسی منظوم تراجم بھی کیے اور ان تمام مجموعوں کو یکجا کر کے علامہ کے کلیات اردو کا منظوم فارسی ترجمہ شائع کیا یہ کلیات افغانستان کے وزارت اطلاعات و کلتور کے ذیلی ادارے انتشارات کتب بہیقی کے زیر اہتمام ۱۳۹۶ ھ ش میں ۷۵۹ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

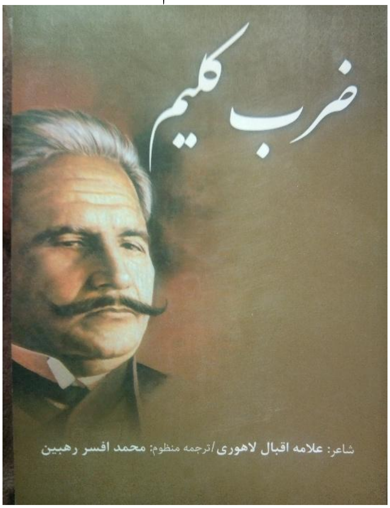

اگرچہ علامہ کے اردو کلیات کا فارسی منظوم ترجمہ اس سے بہت پہلے ایک اور مشہور و معروف افغان اقبال شناس عبدالہادی داوی نے کیا تھا مگر وہ تاحال اشاعت سے محروم ہے جبکہ یہ اعزاز افغانستان ہی کو حاصل رہا کہ ایک اور افغان اقبال شناس محمد افسر رھبین نے کلیات اقبال اردو کا منظوم فارسی ترجمہ کر کے اقبال دوستی کا ثبوت دیا اور دوسری جانب افغان حکومت نے سرکاری سطح پر اس کلیات کی اشاعت کا اہتمام کر کے اقبال کی عالمگیر فکر سے متاثر ہونے کا ثبوت پیش کیا ہے۔

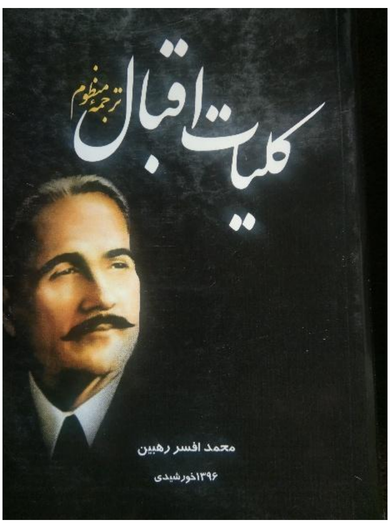

رھبین چونکہ خود فارسی کے قادر الکلام شاعر ہیں اسی وجہ سے علامہ کے کلام کا بہت ہی خوبصورت منظوم فارسی ترجمہ کیا ہے اسلوب اتنا عمدہ، جاذب اور دلکش ہے کہ جابجا کلان طبع زاد معلوم ہوتا ہے

جناب محمد افسر رہبین، ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی، ڈاکٹر اسد اللہ
محقق کابل آرشیف ملی افغانستان، فروری ۲۰۱۹ء

جناب محمد افسر رہبین، پروفیسر ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی کو ضرب کلیم کا منظوم فارسی ترجمہ پیش کر رہے ہیں
کابل آرشیف ملی افغانستان، فروری ۲۰۱۹ء

محمد رحیم الہامؔ ڈاکٹر

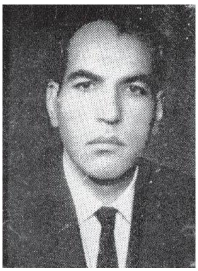

محمد رحیم نام، الہامؔ تخلص، فضل الدین کے فرزند ارجمند تھے۔ والد مومند اور والدہ کا تعلق توخی قبیلے سے تھا۔ ۱۳۱۰ھ ش کو کابل کے چاردہی کے ریشمنور نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ پشتو و فارسی ادبیات پڑھے۔ فقہ تفسیر، احادیث، علم الکلام، منطق، صرف، نحو اور اسلامی تصوف مقامی علما سے پڑھے۔ ۱۳۳۲ھ ش میں غازی کالج کابل سے بکلوریا کیا۔ ۱۳۳۵ھ ش میں کابل کے ادارہ ابیات سے لسانس حاصل کیا۔ ۱۹۶۴ء کو امریکہ کی مشیکانی یونیورسٹی سے ایم اے کیا اور اسی یونیورسٹی سے انگریزی سپیشلائزیشن کی سند بھی لی۔ ۱۳۳۵ھ ش میں کابل کے ادارہ ادبیات سے منسلک ہوئے۔ ۱۳۳۶ھ ش کو یہیں استاد مقرر ہوئے۔ ساتھ ساتھ وژمہ مجلّہ بھی چلاتے رہے۔ ۱۳۴۰ھ ش میں ادبیات کے پوہنځئ میں لسانس کے آمر مقرر ہوئے۔ ۱۳۴۵ھ ش میں ایران شناسی کی بین االاقوامی کانفرنس میں افغان وفد کے رکن کی حیثیت سے تہران گئے۔ وہاں سے واپسی پر وزارت عدل میں نشریات کے مدیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ تھوڑے عرصے کے بعد مساوات اخبار کے مدیر بننے کے بعد ملازمت سے مستعفی ہوئے۔

جناب ڈاکٹر الہام ۱۴ اوری ۱۳۸۲ھ ش بمطابق ۲۰۰۳ کو وفات پا گئے۔[۱]

جناب الہامؔ پشتو اور فارسی کے پائے کے ادباء شعراء میں سے ہیں۔ انگریزی میں تو سپیشلائزیشن کی ہے جبکہ فرانسیسی اور سنسکرت بھی تھوڑی بہت جانتے تھے۔

جناب الہامؔ کے کئی تصنیفات و تالیفات ہیں۔ جن میں سے ۳۱ کی تفصیل اوسنی لیکوال میں درج کی گئی ہے۔[۲]

جناب الہام کے بعض اہم آثار ذیل ہیں:

۱- د ژبي پر قواعدو مقدمه(دری) طبع کابل پوهنتون

۲- د ژپوهني بحثونه(دري) طبع کابل پوهنتون

۳- دعلي بن عثمان جلابي غزنوي احوال و آثار مطبوعہ ادب مجلّہ

۴ پراسلامي تصوف یوه مقدمه(غیر مطبوعہ)

۵۔ د تشریحي ژبپوهني مقدمه مطبوعہ کابل مجلّہ

۶۔ د ژبخړني مقدمه مطبوعہ کابل مجلّہ وږمه او رهبر مجلّہ (د ۱۳۳۴ ه ش

۷۔ تاریخي معالعات لساني مطبوعہ ادب مجلّہ

۸۔ ثقافت و فرهنگ افغاني در ہند مطبوعہ مجلّہ ادب

۹۔ تاثیر ادب دري برعربي مطبوعہ ادب مجلّہ

۱۰۔ د پښتو ژبي دفوغي جوړښت تحلیل(تحقیقی مقالہ برای ترفع) غیر مطبوعہ

۱۱۔ مقدمه یی پر مطالعات ادبي مطبوعہ ادب مجلّہ

۱۲۔ د پښتو گرائمر طرح مطبوعہ وژمہ مجلّہ کابل

۱۳۔ اصول تحقیق گرائمر مطبوعہ د پوہنتون خپرونہ

۱۴۔ برای پوهنتون چي نوعکتب ترجمه شود د ترجمہ مطبوعہ فرانکلن مطبع

۱۵۔ نغمه ها یی اثر ۱۳۳۷ه ش درحمان باباهنري جائزه

۱۶۔ دشت(شعري مجموعه، دري) مطبوعہ

۱۷ هنگامه مقدمه یی برعلم زبان(غیر مطبوعہ)

۱۸۔ د پښتو گرائمر (امریکي د مشیگن یونیورسٹی کے پروفیسر ہربرٹ نیزل کاترجمہ) مطبوعہ کابل پوهنتون دولتي مطبع کابل ۱۳۴۰ ه ش صفحات ۲۴۰

۱۹۔ تطبیقي ادب (پشتو ترجمہ) مطبوعہ کابل مجلّہ۔مقدمه یی بر املا(غیر مطبوعہ)

۲۰۔ رهنمای مطالعه ادب مطبوعہ ادب مجلّہ۔اصول زبان و املا(ترجمہ) غیر مطبوعہ

۲۱ د پښتو او انگریزی فونمیك پیژندنه (تحقیقی مقالہ) غیر مطبوعہ

۲۲- د سانسکرت د دوو یو شعر ترجمه او گرامر تحلیل(۲ جلد)غیر مطبوعہ

۲۳- مقدمه یی بر اصول مطالعه ادبیات فولکلوري(دري)غیر مطبوعہ

۲۴- در عقب جبه(۱۳۳۸ ه ش ، - به علم زبان مطبوعہ

۲۵- نقد ادبي مطبوعه- روش جدید در دستور بان مطبوعہ

۲۶- د ادبي ځیړنو مقالی مطبوعه- د پشتو خج (رسالہ) مطبوعہ

۲۷- ادبي مسئلی مطبوعه د افغانستان د لیکوالو انجمن کابل۱۳۶۷ه ش صفحات ۱۴۰

۲۸- پښتو خج ځیړنه مطبوعہ ۱۳۶۸ھ ش [۳]

جناب الہامؔ کے نظم و نثر سے ان کی علمیت اور کمالِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی تحریرات آپ کی علمی بصیرت کی مظہر ہیں۔ بین الاقوامی ادبیات کا جو مطالعہ الہامؔ نے کیا ہے ان کا عکس ان کے آثار میں جابجا پایا جاتا ہے۔

الہامؔ ایک افغان اقبال شناس بھی ہیں۔ حضرت علامہ سے فکری وابستگی اور قلبی عشق آسانی سے آپ کے آثار میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

آپ نے جواب مسافر کے نام سے حضرت علامہ کی مثنوی مسافر کا جواب لکھا اور ۵/دسمبر ۱۹۷۷ء کو علامہ کے صد سالہ جشنِ ولادت کی مناسبت سے بین الاقوامی کانفرنس اقبال منعقدہ لاہور میں سنایا۔ یہ مشہور منظومہ پہلی بار ہفت روزہ وفا میں شائع ہوا جو یہاں درج ہے:

اهدا به علامه داکتر محمد اقبال لاهوری

"جواب مسافر"

اندران وقتی که آن دانای راز — حضرت اقبال پیر سرفراز
آن خدیو ملک فقر و بی نیاز — شمعسان روشن و لیکن بی گداز
کرد سوی کشور افغان گداز — دفتری بنوشت در ختم سفر

اندران دفتر بسی درسفتہ امت — نکتہ ھای بہتر از در گفتہ است
نزد ہر افغان شد آن دفتر عزیز — ہمچو لعل و چون در و گوہر عزیز
گرچہ آن پاکیزہ بُد ہمراز ما — باخبر از درد و سوز و ساز ما
کام وی شیرین بد از جام جلال[۱] — پیر بلخ آن راز دان با کمال
گرچہ بود اندر کنار گنج بخش[۲] — آن کہ از غزنین بہ لاہور راندہ رخش
گرچہ بہ لعل بدخشانش نگین — کرد چون درکلک شعر انگشترین
گرچہ آن دانای راز انجمن — گفت با دنیا بہ لفظ ما سخن[۳]
گرچہ اندر شعرش آن صاحب یقین — گفتہ بود این نکتۂ مہر آفرین
”آسیا یک پیکر آب و گل است — ملت افغان در آن پیکر دل است
از فساد او فساد آسیا — در گشاد او گشاد آسیا
گرچہ درس از بوعلی آمیختہ بود — دیگ فکرت باسنای پختہ بود
بازھم خود را مسافر خواندہ بود — وین لقب بردفتر خود ماندہ بود
خواستم من ہم خطابی آورم — واں مسافر را جوابی آورم
گرچہ من مھجور از نور وصال — نیرنم اندھوای وصل بال
اشک چشمی میفاشنم پر ز درد — از رخم تا بسترد آہستہ گرد

- -

صبحگاہاں چون برید خوشخرام — بہر ما آورد ایں خرم پیام
گفت راہ خطۂ لاہور گیر — مقصد نزدیک و راہ دور گیر
روید انجامی کہ باشد مہر راز — یادگار روز گاران دراز
ہر درخت باغ وی افسانہ ی — ہر گلشن بنشاندہ فرزانہ ی
طوطیش منقار دارد پر شکر — گلبنش بیجادہ دارد پر گہر

---

۱ مقصود مولانا جلال الدین بلخی است۔
۲ مقصود علی بن عثمان جلابی ہجویری غزنوی معروف بہ داتا گنج بخش صاحب کشف المحجوب است۔
۳ مقصود زبان فارسی دری است۔

دیدہ خاکش پس فراز و بس نشیب دارد اندر دفتر تاریخ زیب
بس کہ از خون شہید انباشتہ ست نرگس آنجا چشم مردم کاشتہ ست
آبھا در جو ضیائی شالمار می جہد مستانہ و سیماب راز
تا رسد برتربت صاحبدلی راز دانی راد مردی مقبلی
تا نہد بر تربت اقبال سر گردد از اسرار ہستی باخبر

چون شنیدم این پیام خوشگوار شوق شد آتش بہ جانم زد شرار
در دل من رازھا آمد پدید سوز جان را سازھا آمد پدید
برگ بی برگی گرفتم در بساط لاف درویشی زدم از انبساط
ہمچو شاہین از فراز کوہسار پر کشودم بیخبر دیوانہ وار
شوق وصل از بس کہ مستی میفزود جانم از تن پیشدستی مینمود
محمل من بود "بال جبریل" آن کہ ہست الہام یزدان رابدیل
جرعہ جام سنائی در دھان درد ہجویری[۱] لا نھان اندربیان
سید افغانیم[۲] بہ رہ دلیل پرتوم از شمع بلخی[۳] درسیل
آن کہ درشبھای تار زندگی مھر وی دارد چو خورتابندہ گی
خفتہ را گوید کہ برخیز ای سپر از سراب وھم بگریز ای پسر
تو ز دریابی سوی دریا شتاب موج زن چون ریگ درساحل خراب
گر خرد ہر چند باشد رہبرت عشق باید گاہ رفتن شہرت

آمدم اینک بہ پیش شاہ عشق پیش اقبال این چراغ راہِ عشق
آن کہ از رمز خودی آگاہ بود درد بود و سوز بود و آہ بود

---

۱ علی بن عثمان جلابی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش۔
۲ سید جمال الدین افغانی۔
۳ بو علی سینا۔

آن کہ زنجیر غلامی پارہ کرد — دردھای مردمان راچارہ کرد
از کلام اللہ کلید تازہ یافت — سوی باغ آرزو دروازہ یافت
گشت فارغ از گزند بیش وکم — سر کشید از دیر در کنج حرم
رہبر خود جستجو را برگزید — در خطرھا آرزو را برگزید
از رموز سرحق آگاہ گشت — ہر کجا خلق او ہمراہ گشت
نالۂ مظلوم در شعر اش درید — دست گشت و دامن ظالم درید
از شراب زندگی سرشار شد — آن قدر شد نشہ تا ہشیار شد
سنگ زد چندان بہ مینای فرنگ — تاشکستش ریخت زان مینا سرنگ
مردمان ہند را بینش فزود — گرد زلت از رخ مردم زدود
برگرفت از حکمت قرآن سبق — ہم زحق گفت و ہم از مردان حق
باشد از افلاک برتر خاک او — صد سلامم بر روان پاک او
من بہ درگاہش نیاز آورہ دام — تحفہ ی از سوز و ساز آوردہ ام
قطرہ ی چند ازدو چشم من چکید — خون دل بُد شعر شد لوش شد

تاشود گلدستہ برسنگ مزار
تا ابد مساند در آنجا یادگار (۴)

مآخذات

(۱) ویاړلی، ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی، جلد اول، د افغانستان ملی تحریک وڈاکٹر رفیقی سیڑ نیز مرکز کوئٹہ ۲۰۱۷ء، ص۴۸۲، ۴۸۳

(۲) اوسنی لیکوال، جلد ا، ص۱۱۵۵

(۳) ویاړلی، جلد اول، ص۴۸۲، ۴۸۳

(۴) ہفت روزہ وفا، ۱۱ جدی ۱۳۷۵ھ ش ۳

میر بہادر واصفی

افغانستان کے مشہور فارسی شاعر میر بہادر واصفی ۱۳۱۵ھ ش میں بدخشاں میں پیدا ہوئے۔ آپ نے کلیلہ و دمنہ اور سیصد انداز لقمان حکیم کو فارسی میں منظوم کیا ہے۔ آپ کے اشعار کی تعداد پچاس ہزار سے زائد ہے۔ ڈاکٹر اسد اللہ محقق کی فرمائش پر ۱۳ ثور ۱۳۸۳ھ ش کو علامہ کے حضور ذیل فارسی خراج تحسین پیش کیا ہے:

ای عروج ناز اقبال سخن — غرق نورِ از تو پر و بال سخن
بر تو ای علامہ ی لاہور زاد — عارف آزادی دی گوھر نھاد
ملک معنی از تو ای صاحب نبوغ — یافتہ شیرازہ مرفرو فروغ
حق شناس حکمت ام الکتاب — رند شو می وارھیدہ از حجاب
مرد عشق و مرد سوزد مرد درد — شرق را از معرفت فرزانہ مرد
از بلوغ عشق قرآں و خدای — سرفرازی یافتہ در دوسرای
ای سخن را سرخی خون وقار — اوج معنیٰ را ستون استوار
ای طبیب نغمہ خواں سرّ راز — ناز را محرم ز آیین نیاز
یافتی تا عشق شمس و مولوی — خاک را دادی فغاں معنوی
ای بہ ھمت راز داں عشق — حق پردۂ اوھام را بنمودہ عشق
نور حق می تابد از عرفان تو — ھر د بان جان بود پیمان تو
رفتہ از خود کردہ ی سیر خودی — کعبہ را پیمودہ در دیر خودی
آنچہ از تو در "زبور عجم" است — در دل آئینہ ھا جام جم است
تا دل شوق تو نور رب گرفت — از تب عشقت جھان تب گرفت

نالۂ مستاندات ای مرغ حق | رفتہ گوش کراں رازد ورق
سمع خود سوزی بہ جہان افروختی | سوختن بر دیگراں آموختی
طبع ہر شور توای عالی جناب | در روان خفتگان زد انقلاب
سوز تو در طور جانھا کار کرد | ملت خوابیدہ ای بیدار کرد
ای مسیح روح خاک مردگاں | دادہ پیوند زمین بر آسمان
ھر کہ را در دل بود درد بشر | جاں او می سوزد از درد دگر
حسن تعبیر بہ وصف آسیا | حق انصاف سخن کردہ ارا
کشور افغان دل ہر آرزوست | عشق آزادی در و بال نموست
ملت افغاں بہ افراد زمین | باشد اندر کشتی حق ھمنشین
تانبیند بی وفای زین و آں | صلح را خواھد سپھدار جھان
وا کند ھر لحظہ احساس خطر | در جھان می افکند فصل دگر

واصفی در پھنہ روی جھان
زندہ با را جنبش آزادگان [۱]

مآخذ

---

(۱) علامہ اقبال درادب فارسی و فرھنگ افغانستان، ص۱۸۸ - ۱۸۹

کتابیات

(الف) اردو کتب

۱- افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت عبد الروف رفیقی ڈاکٹر (مقالہ پی ایچ ڈی) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ۲۰۰۵ء مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۲۲ء

۲- اقبال اور افغانستان اکرام اللہ شاہد، ادارہ اشاعت مدرار لعلوم مردان، ۲۰۰۲ ء

۳- بالِ جبریل، علامہ محمد اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۹۱ء

۴- بانگ درا، علامہ محمد اقبال، مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸ء

۵- پشتو شاعری پر اقبال کے اثرات، ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی، (مقالہ ایم فل)، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۰ء، غیر مطبوعہ

۶- خون کی پکار، عبد الباری شہرت ننگیال مطبوعہ پشاور ۱۳۶۲ھ ش بیک ٹائٹل

۷- سیر افغانستان، سلیمان ندوی سید، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن ندارد

(ب) پشتو کتب

۸- آریانا دائرة المعارف، پښتو، شپږم ټوك، مطبع دولتی، کابل افغانستان، ۱۳۵۵ه ش.

۹- آریانا دائرة المعارف، دوهمه دوره، دوهم ټوك، د افغانستان اسلامی جمهوریت د علومو اکادمی د دائره المعارف ریاست کابل ۱۳۸۷ه ش ۲۰۰۸م

۱۰- آریانا دائرة المعارف، دوهمه دوره، دریم ټوك، د افغانستان اسلامی جمهوریت د علومو اکادمی د دائره المعارف ریاست کابل ۱۳۸۹ھ ش ۲۰۱۰م

۱۱- افغانان د اقبال له نظره ،سفارت جمهوری اسلامی پاکستان کابل ۱۳۹۵ھ ش ، ۲۰۱۶ء

۱۲- اقبال او پښتو شاعری، ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۲۰۰۴ء

۱۳- عبدالرؤف بینوا ، اوسنی لیکوال، جلد ۱ ، دولتی مطبع کابل، ۱۳۴۰ ه ش.

۱۴- عبدالرؤف بینوا ، اوسنی لیکوال، جلد ۳ ، دولتی مطبع کابل، ۱۳۴۶ ه ش.

۱۵- بهار جانان از ملا محمد شریف جانان کاکڑ کندہاری قلمی مملوکہ ادارہ تحقیقات ڈاکٹر رفیقی کاسی روڈ کوئٹہ

۱۶- پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې، عبداللہ بختانی پښتوټولنہ کابل ۱۳۳۵ھ ش

۱۷- پښتانه شعرا، جلد ۵ عبداللہ بختانی خدمتگار، د افغانستان د علوموا کادمی کابل، ۱۹۸۸ء

۱۸- دارغند د خپو ژبه، (تذکرہ) صالح محمد صالح مطبوعہ پښتویون نیویارک ۱۳۸۰ھ ش ۲۰۰۱ء

۱۹- د افغانستان پیبنلیك، علامہ عبدالحیٔ حبیبی د بیہقی کتاب خپر ولو مؤسسہ، کابل، ۱۳۵۳ھ ش

۲۰- د افغانستان مشاهیر، جلد ۳، سید محی الدین ہاشمی د اریک (گرځنده کتابونو اداره، پشاور، ۱۳۷۹ھ ش

۲۱- د افغان مجاهدآواز، (پښتو شعری مجموعہ) عبدالباری شہرت ننگیال مطبوعہ پشاور ۱۳۵۹ھ ش

۲۲- د شاعر فریاد، (شعری مجموعہ) احمد صمیم مطبوعہ کوئٹہ ۱۳۷۳ھ ش

۲۳- د وړمو نخښې د جهاد ادبی کتاب بنود، (پښتو) حبیب اللہ رفیع، د افغانستان د اوسنی ادبیاتو د پر مختیاټولنہ ۱۳۶۹ھ ش

۲۴- ستوری د ادب په آسمان کی (تذکره) محمد داود وفامطبوعه دانش کتابتون پشاور۱۳۷۹ھ ش

۲۵- علامه اقبال د څیړنو په بهیر کی، سفارت جمہوری اسلامی پاکستان، کابل۱۳۹۵ھ ش، ۲۰۱۷ء

۲۶- ویاړلی، ڈاکٹر عبدالروف رفیقی جلد ۱ تا جلد ۷ د افغانستان ملی تحریک وڈاکٹر رفیقی سیڑ نیز مرکز کوئٹہ ۲۰۱۷م

۲۷- ویاړلی، ڈاکٹر عبدالروف رفیقی جلد ۸ تا جلد ۹ د افغانستان ملی تحریک وڈاکٹر رفیقی سیڑ نیز مرکز کوئٹہ ۲۰۱۷م

۲۸- وینه په قلم کي،(پشتو) عبدالباری شہرت ننگیال د افغان د جیادی سیڑ نو مرکز پشاور ۱۳۶۸ھ ش

(ج) فارسی کتب

۲۹- آثار اردوی اقبال جلد اول عبدالہادی داویوزارت اطلاعات وکلثور موسسہ انتشارات بیہقی کابل۱۳۵۶ھ ش /۱۹۷۷ء

۳۰- آثار اردوی اقبال جلد دوم عبدالہادی داویوزارت اطلاعات وکلثور موسسہ انتشارات بیہقی کابل۱۳۵۶ھ ش /۱۹۷۷ء

۳۱- آریانا دائرہ المعارف فارسی دورہ دوم جلد ۶ د افغانستان اسلامی جمہوریت دعلوم واکادمی د دائرہ المعارف ریاست کابل۱۳۹۶ھ ش ۲۰۱۷م ص، ۴۴۷

۳۲- افغانستان در پنج قرن آخر، محمد صدیق فرہنگ، جلد اول قسمت دوم، مؤسسہ مطبوعاتی اسماعلیان قم ایران، طبع جدید، ۱۳۷۱ھ ش

۳۳- افغانستان و اقبال ،صدیق رھیپووزارت اطلاعات و کلثور موسسہ انتشارات بیہقی کابل۱۳۵۶ھ ش /۱۹۷۷ء

۳۴- اکسیر خودی جوھر پیام علامہ اقبال ڈاکٹر سعید انجمن حمایت از انکشاف اجتماعی مطبوعہ فجر کابل ۱۳۸۹ھ ش / ۲۰۱۰ء
۳۵- پیام مشرق، محمد اقبال علامہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، نوزدھم، ۱۹۸۹ء
۳۶- تاریخ ادبیات افغانستان، (فارسی) غلام محمد غبار کتابخانہ آرش پشاور طبع دوم ۱۳۷۸ھ ش
۳۷- سیر اقبال شناسی در افغانستان ، عبدالروف خان رفیقی، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۲۰۰۴ء
۳۸- سیماھاو آوارھا، نعمت حسینی جلد اول مطبع دولتی کابل ۱۳۶۷ھ ش
۳۹- علامہ اقبال درادب فارسی و فرھنگ افغانستان ڈاکٹر اسد اللہ محقق (مقالہ ڈاکٹریٹ) مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد ۱۳۸۴ ۳۴۵ھ ش / ۲۰۰۵ء
۴۰- فرہنگ زبان و ادبیات پشتو، زلمی ھیوادمل جلد ۲، نتشارات کمیتہ دولتی مطبع دولتی، کابل، ۱۳۶۵ھ ش
۴۱- کلیات اشعار استاد خلیل اللہ خلیلیؒ، بکوشش عبدالحیٔ خراسانی، نشر بلخ تہران ۱۳۷۸ھ ش
۴۲- کلیات ملک اشعرا قاری عبداللہ مطبوعہ کابل ۱۳۳۴ھ ش
۴۳- گلچین از آثار و شرح حال محمد ابراہیم خلیل، خال محمد خستہ، عبدالشکور حمید زادہ، عتیق اللہ خواجہ زادہ،، طبع لالہ زار تہران، ۱۳۴۱ھ ش
۴۴- مشاہیر افغانستان، جلد ۲، سید محی الدین ہاشمی مترجم ادبیار، مطبوعہ کتابخانہ سیار اریک، پشاور، ۱۳۷۹ھ ش پشاور
۴۵- یار آشنا (بار دوم) بخلیل اللہ خلیلی شگفتار و حواشی عارف نوشاہی کتابخانہ استاد خلیل اللہ خلیلی انستتیوت شرقشناسی و میراث فرھنگی اکادمی علوم جمہوری تاجکستان دو شنبہ ۱۳۸۹ھ ش / ۲۰۱۰ء

(د) جرائد و مجلّات

۴۶- ’’آریانا‘‘ کابل (پشتو، فارسی)، مجلّہ انجمن تاریخ افغانستان کابل ستمبر ۱۹۷۶

۴۷- آزاد افغانستان پشاور (پشتو، فارسی) مجلّہ اپریل جون ۱۹۹۹

۴۸- ’’افغانستان‘‘ پشاور، (پشتو، فارسی)، جولائی ۱۹۹۶ء،

۴۹- اقبال (اردو) بزم اقبال لاہور اپریل تا جون ۲۰۰۶،

۵۰- اقبال ریویو، (انگریزی) اقبال اکادمی پاکستان لاہور اپریل ۱۹۶۷ء

۵۱- خورشید کابل (پشتو، فارسی) مجلّہ اکادمی علوم افغانستان زمستان ۱۳۸۹ھ ش

۵۲- د افغانستان کالنی (پشتو، فارسی)، مطبوعہ کابل ۳۸- ۱۳۳۹ھ ش

۵۳- دانش (فارسی) ادارہ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد، زمستان، ۱۳۶۶ھ ش

۵۴- ’’عرفان‘‘ کابل (پشتو، فارسی)، اسد ۱۳۴۷ھ ش

۵۵- ’’قلم‘‘ پشاور (پشتو، فارسی) سہ ماھی اپریل مئی ۱۹۸۷

۵۶- ’’کابل‘‘، مجلہ، (پشتو، فارسی) ماہنامہ ۲۲ دسمبر ۱۹۳۳ء

۵۷- ’’کابل‘ مجلہ (پشتو، فارسی)‘ جنوری فروری ۱۹۳۷ء

۵۸- ’’کابل‘‘ مجلہ، (پشتو، فارسی) ماہنامہ مئی جون ۱۹۳۸ء

۵۹- ’’کابل‘‘ مجلہ (پشتو، فارسی) ستمبر اکتوبر ۱۹۳۹ء

۶۰- گندھارا، پشاور مجلّہ مارچ اپریل ۲۰۰۰ء

۶۱- ’’وفا‘‘، ہفت روزہ (پشتو، فارسی) د آزاد افغانستان د لیکوالو ټولنه پشاور، ۱۰ جدی ۱۳۷۳ھ ش

۶۲- ’’وفا‘‘، ہفت روزہ (پشتو، فارسی) پشاور ۱۱ جدی ۱۳۷۵ھ ش

و من اللہ توفیق